ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

بچوں کا اسلام

604 اتوار 17 ربیع الاول 1435ھ مطابق 19 جنوری 2014ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

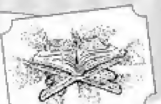

اور تم نہیں جانتے

"اور یہ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو انھیں آسمانوں اور زمین میں سے کسی طرح کا رزق دینے کا نہ کوئی اختیار رکھتی ہیں، نہ رکھ سکتی ہیں، لہٰذا تم اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو۔ بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

(سورۂ نحل:73،74)

یہ دعا پڑھتے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے سے فارغ ہوتے، یہ دعا پڑھتے:

"سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور مسلمان بنایا۔"

(ابن ماجہ۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)

دو باتیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

کراچی میں 8 دسمبر کو میری کتاب "میری کہانی" کی تقریب رونمائی تھی۔ اس سلسلے میں وہاں جانا پڑا، اگرچہ میں گذشتہ سال اعلان کر چکا تھا کہ اب میں ایکسپو سنٹر کے پروگرام میں شرکت نہیں کیا کروں گا۔ اس سال جب مجھے کراچی آنے کے لیے کہا گیا تو میں نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر مجھ سے کہا گیا، اس مرتبہ آپ کی کتاب میری کہانی کی تقریب رونمائی ہے۔ اس میں تو آپ کو آنا پڑے گا۔ میرے لیے یہ سخت الجھن کی بات تھی۔ آخر میں نے صرف یہ بات منظور کی کہ میں تقریب رونمائی کی حد تک آؤں گا اور تقریب ختم ہوتے ہی وہاں سے چلا آؤں گا اور کتابوں کے سٹال پر ہرگز نہیں بیٹھوں گا۔

سو میں نے بس اتنا ہی کیا... تقریب کا وقت شروع ہونے سے کچھ دیر پہلے وہاں چلا گیا اور نماز کے لیے مقرر کی گئی جگہ میں جا کر بیٹھ گیا... تقریب شروع ہوئی تو اس میں شرکت کی اور پروگرام ختم ہونے پر وہاں سے چلا آیا... دوسرے دن واپس لاہور آ گیا...

اس وضاحت کی ضرورت اس لیے پیش آئی... یار لوگ کہتے نظر آئے کہ دیکھا... پھر چلا گیا نہ ایکسپو سنٹر، حالانکہ اپنی دو باتیں میں برملا اعلان کیا تھا کہ آئندہ میں ایکسپو سنٹر میں نہیں آؤں گا...

یہ وضاحت اس لیے بھی کرنا پڑی کہ وہاں بھی کچھ لوگوں نے یہ بات کہی تھی کہ جناب! آپ نے تو اعلان کیا تھا، یہاں نہیں آئیں گے، آپ تو پھر نظر آ رہے ہیں... ان سے بھی میں نے یہی کہا تھا کہ میں اس وقت جائے نماز میں موجود ہوں... اور صرف اپنی کتاب کی تقریب میں شرکت کر کے یہاں سے چلا جاؤں گا...

اور تقریب کون سا ہر سال ہوتی ہے... آئندہ سال میں ایکسپو سنٹر میں اس حد تک بھی نظر نہیں آؤں گا... ایسے اعتراضات سن کر مجھے دلی خوشی ہوتی ہے... کوئی رنج نہیں ہوتا، پریشانی نہیں ہوتی... اس لیے کہ یہ اعتراضات اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ کا اور میرا ایک تعلق ہے... آپ کو مجھ سے ایک لگاؤ ہے... بچوں کا اسلام کی نسبت سے آپ اور میں ایک ہیں... یعنی ہم ایک ہیں... اور یہ ایک ہونا بہت اچھا ہے... کاش ہمارے تمام مسلمان ایک ہو جائیں، آپس کے لڑائی جھگڑے بھول جائیں، ان کو چھوڑ یں... بلکہ میں تو کہتا ہوں... کاش... پوری دنیا کے مسلمان ایک ہو جائیں... وہ ایک بدن کی مانند ہو جائیں... اگر ایسا ہو جائے تو آج بھی مسلمان خود کو وہی مسلمان ثابت کر سکتے ہیں... جو چودہ سو سال پہلے تھے... جب ان سے یہودی قومیں اور عیسائی قومیں تھر تھر کانپا کرتی تھیں... ایک چھوٹی سی طاقت نے خود کو اس رنگ میں ڈھالا تھا... دیکھ لیں... تمام غیر مسلموں سے یہ بات برداشت نہ ہو سکی اور سب کے سب افغانستان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے... کاش ہم بھی سب کے سب اٹھ کھڑے ہوں... آمین!

والسلام

سالانہ زر تعاون اندرون ملک: 600 روپے، بیرون ملک: 3700 روپے

خط کتابت کا پتہ
"بچوں کا اسلام" دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983

www.dailyislam.pk :بچوں کا اسلام انٹرنیٹ پر بھی، ای میل: bkislam4u@gmail.com

انوکھا قانون

نوید پہلی بار اپنی تعلیم کے سلسلے میں سعودیہ سے جرمنی جارہا تھا۔ جرمنی ایک صنعتی ملک ہے جہاں دنیا کی بہترین مصنوعات ہیں۔ ایٹمی ری ایکٹر میں استعمال ہونے والے پمپ تو محض اُس ملک کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں بنتے ہیں۔ اس طرح کے ترقی یافتہ ملک کے بارے میں کوئی بھی سوچ سکتا ہے کہ وہاں کے لوگ کس طرح عیش و عشرت کی زندگی گزارتے ہوں گے۔

نوید جس وقت ہمبرگ پہنچا تو وہاں پہلے سے موجود اس کے دوست استقبال کے لیے ایک ریسٹورنٹ میں دعوت کا پروگرام بنا چکے تھے۔ جس وقت یہ لوگ ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے، اُس وقت وہاں گاہک نہ ہونے کے برابر تھے۔ اکثر میزیں خالی نظر آرہی تھیں۔ انھیں جو میز دی گئی، اس کے اطراف میں میاں بیوی کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ اُن کے سامنے صرف ایک ڈش میں کھانا رکھا ہوا تھا جس کو وہ اپنی پلیٹ میں ڈال کر کھا رہے تھے اور دونوں کے سامنے ایک ایک گلاس جوس بھی رکھا ہوا تھا۔ اس سے نوید نے یہی اندازہ لگایا کہ بے چاروں کا رومانوی انداز میں کھانا کھانے کو تو دل چاہ رہا ہوگا مگر جیب زیادہ اجازت نہیں دیتی ہوگی۔ ریسٹورنٹ میں اُن کے علاوہ عمر رسیدہ خواتین بھی بیٹھی تھیں۔ نوید اور اُس کے دوستوں کی بھوک عروج پر تھی، اس لیے بھوک کا حساب لگاتے ہوئے نوید کے دوستوں نے فراخ دلی سے آرڈر لکھوایا۔ گاہکوں کی کمی کی وجہ سے کھانا جلدی لگ گیا اور اُن سب نے بھی کھانے میں دیر نہ لگائی۔ پیسے ادا کر کے جب یہ لوگ جانے کے لیے اٹھے تو پلیٹوں میں کم از کم ایک تہائی کھانا بچا ہوا تھا۔ باہر جاتے ہوئے جونہی دروازے کی طرف بڑھے، اُن بڑھیاؤں نے آوازیں دینا شروع کر دیں۔ نوید اور اُس کے دوستوں نے مڑ کر دیکھا تو وہ سب اپنی جگہ کھڑی تھیں اور زور زور سے باتیں کر رہی تھیں۔ نوید نے اندازہ لگایا کہ اُن کو ہمارا اس طرح ضرورت سے زیادہ کھانا طلب کرنا اور ضائع کرنا اچھا نہیں لگا۔ نوید کے دوست نے اُن سے کہا کہ ہم نے جو کھانا منگوایا تھا، اُس کے پیسے دے دیے ہیں۔ اس لیے تمہارا اس طرح شور مچانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ایک عورت یہ سنتے ہی ٹیلی فون کی طرف لپکی اور کسی کو فوراً وہاں آنے کو کہا۔ ایسی صورتِ حال میں ان لوگوں کا وہاں سے جانا یا کھسک جانا مسائل کھڑے کر سکتا تھا۔ اس لیے وہ لوگ کچھ دیر کے لیے رُک گئے۔ کچھ ہی دیر میں وہاں ایک باوردی شخص آیا جس نے اپنا تعارف سوشل سیکیورٹی افسر کی حیثیت سے کروایا۔ صورتِ حال دیکھ اور سن کر اس نے اُن پر پچاس فرانک جرمانہ عاید کر دیا۔ اس دوران، وہ چپ چاپ کھڑے رہے۔ نوید کے دوست نے پچاس فرانک جرمانہ ادا کیا تو آفیسر نے ایک رسید اسے تھما دی۔ آفیسر نے جرمانہ وصول کرنے کے بعد شدید لہجے میں کہا کہ آیندہ جب بھی کھانا منگواؤ تو اتنا ہی منگواؤ جتنا کہ کھا سکو۔ تمہارے پیسے تمہاری ملکیت ضرور ہیں مگر وسائل معاشرے کی امانت ہیں۔ اس دنیا میں ہزاروں لوگ ایسے بھی ہیں کہ غذائی کمی کا شکار ہیں۔ تمہارا کوئی حق نہیں بنتا کہ تم کھانے پینے کی اشیا کو اس طرح ضائع کرتے پھرو۔ بے عزتی کے احساس اور شرمساری سے اُن کے چہرے سرخ ہو رہے تھے۔ اُن کے پاس آفیسر کی بات سننے اور اُس سے اتفاق کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ذہنی طور پر وہ اس بات کے قائل ہو چکے تھے اور سوچ رہے تھے کہ کاش پاکستان میں بھی اس طرح کے قوانین لاگو ہوں اور ہمارا ملک بھی ترقی کر سکے۔

اے۔ ایس سالم۔ ضلع اوکاڑہ

بہت کھاتا ہوں

ہے مری خوراک ہی کیا انڈے مکھن اور گھی
حلوہ پوری ٹیسٹ کر لیتا ہوں سنڈے کو بھی

ہینڈسم، اسمارٹ دِکھتا ہوں میں لوگوں کو جبھی
سچ بتاؤں تھاؤزنڈ میں وَن نظر آتا ہوں

پھر بھی سب الزام دیتے ہیں بہت کھاتا ہوں میں
کرتا ہوں انصاف میں ہر روز مہمانی کے ساتھ

قورمہ بھی لازمی ہے مرغ بریانی کے ساتھ
رابطہ کھانے میں کب رکھتا ہوں میں پانی کے ساتھ

اس لیے پکوان والوں کو بہت بھاتا ہوں میں
پھر بھی سب الزام دیتے ہیں بہت کھاتا ہوں میں

شادی کی تقریب میں کھلتا ہے کھانا جس گھڑی
آزمائش سے گزرتی ہے وہاں دنیا بڑی

تکتی ہے "وی آئی پی" مہمان کو پبلک کھڑی
ایک گھنٹے تک انھیں آرام کرواتا ہوں میں

پھر بھی سب الزام دیتے ہیں بہت کھاتا ہوں میں
جب امیروں کے ولیمے میں ڈشز ہوں آٹھ دس

دیکھتے ہی مینو کو میں کمر لیتا ہوں کس
بادلِ ناخواستہ کرتا ہوں جب کھا کھا کے بس

بطن کی بے بضاعتی پر خوب پچھتاتا ہوں میں
پھر بھی سب الزام دیتے ہیں بہت کھاتا ہوں میں

ٹوٹتا ہے جب دلِ بے رحم مالِ مفت پر
مجھ پہ ہی مرکوز ہوجاتی ہے لوگوں کی نظر

لگ نہ جائے یہ نظر اب میری صحت پر اثر
اس تصور ہی سے سچ پوچھو تو گھبراتا ہوں میں

پھر بھی سب الزام دیتے ہیں بہت کھاتا ہوں میں

اثر جونپوری

ایک اہم اعلان

قارئین نوٹ فرمالیں

شمارہ نمبر 620 ختمِ نبوت نمبر ہوگا۔ صفحات حسبِ معمول سولہ ہی ہوں گے۔ (مدیر)

94

واقعات صحابہ کے

عبداللہ فارانی

حضرت محمد بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''میرے پڑوسی نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''صبر کرو۔''

یہ سن کر حضرت محمد بن عبداللہ چلے گئے، پھر آئے اور یہی بات کہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ پھر آئے اور یہی بات کی۔ اب آپ نے فرمایا:

''اپنے گھر کا سارا سامان اٹھا کر گلی میں رکھ لو... تمہارے پاس جو بھی آئے اور پوچھے کہ یہ کیا معاملہ ہے تو تم بتاتے رہنا کہ تمہارے پڑوسی نے تمہیں پریشان کیا ہوا ہے، اس طرح سب اسے برا بھلا کہیں گے۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے اپنے پڑوسی کا اکرام کرنا چاہیے اور جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ یا تو وہ خیر کی بات کہے یا چپ رہے۔''

O

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوے میں تشریف لے جانے لگے۔ آپ نے فرمایا:

''آج ہمارے ساتھ وہ نہ جائے جس نے اپنے پڑوسی کو تکلیف پہنچائی ہو۔''

آپ کی یہ بات سن کر ایک شخص نے کہا:

''میں نے اپنے پڑوسی کی دیوار کی جڑ میں پیشاب کیا ہے۔''

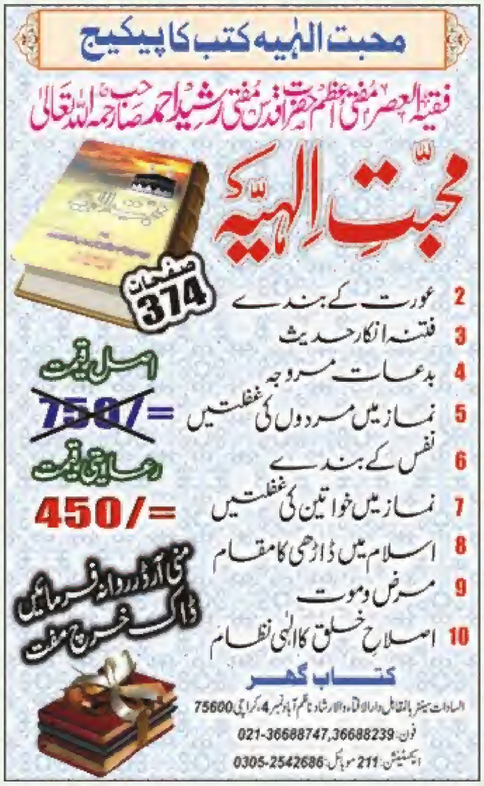

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم آج ہمارے ساتھ نہ جاؤ۔''

O

حضرت رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ ایک غزوے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے۔ آپ نے ہم میں سے ہر تین آدمیوں کو ایک ایک اونٹ سواری کے لیے دیا۔ صحرا اور جنگل میں تو ان میں سے دو دو اونٹوں پر سوار ہو جاتے اور ایک پیچھے سے اونٹ کو چلاتا اور پہاڑوں میں سب ہی اتر جاتے۔ ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رباح رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ وہ اس وقت پیدل چل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم پیدل چل رہے ہو، کیا بات ہے؟''

انھوں نے عرض کیا:

''جی میں ابھی اترا ہوں۔ اس وقت میرے ساتھی سوار ہیں۔'' (یعنی اب ان کی باری ہے)

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے چلے گئے۔

قدم بہ قدم

آپ کا گزر ان کے دونوں ساتھیوں کے پاس سے ہوا، اس پر انھوں نے اپنے اونٹ کو بٹھا لیا اور دونوں اس سے اتر گئے۔ جب حضرت رباح ان کے قریب پہنچے تو دونوں نے ان سے کہا:

''اے رباح! اب تم اونٹ پر سوار ہو جاؤ اور مدینہ واپسی تک یوں ہی بیٹھے رہو۔ ہم دونوں باری باری سوار ہوتے رہیں گے۔'' (یعنی اب تم پیدل نہ چلنا)

انھوں نے پوچھا:

''یہ کیوں؟''

ان دونوں نے کہا:

''حضور ابھی ہم سے فرما گئے ہیں کہ تمہارا ساتھی بہت نیک ہے، تم اس کے ساتھ اچھی طرح رہو۔''

O

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کھانا کھا رہی تھیں کہ ان کے پاس سے ایک باوقار آدمی گزرا۔ آپ نے اسے بلا کر اپنے ساتھ کھانے پر بٹھا لیا۔ اتنے میں ایک اور آدمی گزرا۔ اسے بلایا نہیں، بس روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیا۔

کسی نے ان سے پوچھا:

''آپ نے دونوں کے ساتھ ایک جیسا معاملہ کیوں نہیں کیا؟''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم لوگوں کے ساتھ ان کے مرتبے کے مطابق معاملہ کریں۔'' (اور ہر ایک کو اس کے درجے پر رکھیں)

O

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک سفر میں تھیں۔ انھوں نے قریش کے کچھ لوگوں کے لیے دوپہر کا کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو ایک مال دار باوقار آدمی بھی وہاں آ گیا۔ آپ نے فرمایا:

"اسے بلالو۔"

اسے بلایا گیا تو وہ سواری سے نیچے اترا۔ اس نے بیٹھ کر کھانا کھایا اور چلا گیا۔ اس کے بعد ایک مانگنے والا آیا۔ آپ نے اس کے لیے فرمایا:

"اسے روٹی کا ایک ٹکڑا دے دو۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"اس مال دار کے ساتھ اکرام والا معاملہ کرنا ہی ہمارے لیے مناسب تھا اور فقیر نے سوال کیا تو اسے اتنا دینے کے لیے کہہ دیا جس سے وہ خوش ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہی حکم دیا ہے۔" (یعنی ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے)

O

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک روز بازار گئے۔ آپ کے ساتھ حضرت طفیل بن ابی بن کعب رحمہ اللہ بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر جب بھی بازار جاتے تھے تو راستے میں ملنے والے ہر شخص کو سلام کرتے تھے۔ اس روز حضرت طفیل نے آپ سے کہا:

"آخر آپ بازار میں کس لیے آئے ہیں، نہ کسی دکان سے کچھ خریدتے ہیں، نہ کسی چیز کی قیمت معلوم کرتے ہیں، نہ بازار میں کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں۔ آیئے ہم یہاں بیٹھ کر کچھ دیر باتیں کریں۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

"اے پیٹو (ان کا پیٹ بڑھا ہوا تھا) ہم تو سلام کی وجہ سے بازار آتے ہیں۔ اس لیے ہمیں جو بھی ملے گا، ہم اسے سلام کریں گے۔"

O

ایک یہودی نے حضرت ابوامامہ باہلی کو آتے دیکھا تو وہ جلدی سے ایک ستون کے پیچھے چھپ گیا جب حضرت ابوامامہ باہلی نزدیک آئے تو یک دم سامنے آ گیا اور انھیں سلام کیا:

حضرت ابوامامہ باہلی نے فرمایا:

"اے یہودی! تیرا ناس ہو! تو نے ایسا کیوں کیا؟"

اس نے کہا: "آپ جب بھی بازار میں آتے ہیں، دوسروں کو بہت زیادہ سلام کرتے ہیں اور سلام کرنے میں پہل کرتے ہیں، اس سے میں یہ سمجھا کہ یہ کوئی بہت فضیلت والا عمل ہے، اس لیے میں نے چاہا، میں بھی فضیلت حاصل کر لوں۔"

یہ سن کر حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے السلام علیکم کو ہماری امتِ مسلمہ کے لیے آسان، امتِ (مسلمہ) کے لیے آپس کا سلام بنا دیا ہے اور ہمارے ساتھ رہنے والے ذمی کافروں کے لیے اسے امن کی نشانی بنا دیا ہے۔"

O

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر واپس جا رہے تھے۔ حضرت محمد بن زیاد رحمہ اللہ ان کا ہاتھ تھامے ان کے ساتھ چل رہے تھے۔ راستے میں جو شخص بھی ان کے پاس سے گزرتا، چاہے، وہ مسلمان ہوتا یا نصرانی، چھوٹا ہوتا یا بڑا، آپ اسے سلام ضرور کرتے۔ آپ گھر کے دروازے پر پہنچے تو ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

"اے میرے بھتیجے! ہمیں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کا حکم دیا ہے کہ ہم آپس میں سلام پھیلائیں۔" (جاری ہے)

4

بدنصیب ہوٹل

اشتیاق احمد

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"کیا بات ہے جناب... خیر تو ہے... آپ چلائے کیوں؟"

"کیا یہ سچ ہے کہ رگو بابا یہاں آ کر پوسٹر لے گیا تھا۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"ہاں... یہ بالکل درست ہے... آپ کو اس میں شک کیوں ہے۔"

"اس لیے کہ رگو بابا نے بتایا تھا، اسے ایک صاحب دے گئے تھے... ان صاحب کا اس نے حلیہ بھی بتایا تھا، آپ درمیانے قد اور بھاری بھر کم جسم کے تو نہیں ہیں؟" فاروق نے ہونقوں کی طرح پوچھا۔

"نن... نہیں... کیوں... یہ کیوں پوچھا آپ نے۔"

"پوسٹر اس کے پاس ایک بھاری بھر کم جسم والا آدمی لے کر گیا تھا... جس کا قد درمیانہ تھا، لیکن آپ کہتے ہیں کہ پوسٹر رگو بابا خود یہاں سے لے گیا تھا... سوال یہ ہے کہ ان میں سے کون سی بات سچ ہے... اور آپ میں سے ایک جھوٹ کیوں بول رہا ہے۔"

"بھلا مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"پتا نہیں جناب... کیا ضرورت ہے... یہ تو آپ ہی بتا سکتے ہیں۔" فاروق نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"شاید میں کچھ غلط کہہ گیا، خیر آپ خیال نہ فرمائیں... تو آپ جھوٹ نہیں بول رہے... محمود تم یہیں ٹھہرو... میں ذرا رگو بابا کو یہیں بلا لاتا ہوں... تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔"

"ہوں ٹھیک ہے... اسے کہتے ہیں، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔" محمود مسکرایا۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا... آپ تو پہیلیاں بجھوا رہے ہیں۔"

"ذرا صبر کریں جناب۔"

"آپ نے اب تک اپنا تعارف بھی نہیں کروایا۔"

"محمود تم اطمینان سے تعارف کرواؤ... میں اتنے میں رگو بابا کو لے کر آتا ہوں..." فاروق نے کہا اور تیز تیز قدم اُٹھاتا باہر نکل گیا۔

باہر نکل کر وہ ٹیکسی میں بیٹھا اور بولا:

"آپ رگو بابا کا ٹھکانا جانتے ہیں؟"

"پوسٹر والا رگو بابا۔" ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

"ہاں! وہی۔"

"جانتا ہوں... کیا وہاں چلنا ہے؟"

"بالکل... اور ذرا جلدی چلیے۔" فاروق نے کہا اور ٹیکسی چل پڑی۔

"آپ کے ساتھی کہاں رہ گئے۔"

"یہیں رہ گئے ہیں... ہمیں پھر بھی یہیں آنا ہے۔"

”سمجھ میں نہیں آیا... آپ لوگ کرتے کیا پھر رہے ہیں۔“

”آپ کو کیا بتائیں... ابھی تک تو ہماری بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ ہم کیا کرتے پھر رہے ہیں۔“

”جی... یہ کیا بات ہوئی؟“ ٹیکسی ڈرائیور نے حیران ہو کر کہا۔

”مجھے تو یہ بھی پتا نہیں... کہ یہ بات ہوئی ہے یا نہیں۔“ فاروق نے کندھے اچکائے۔

”اچھا خیر۔“

رگو بابا نے چند لمحے تک اسے گھور کر دیکھا، پھر اس نے کہا:

”آپ کو کہیں دیکھ چکا ہوں۔“

”جی ہاں... ضرور دیکھا ہوگا... ذرا آپ سے ایک کام ہے... بہت ضروری کام ہے... آپ کو ساتھ لے کر جانا پڑے گا، لیکن فکر کی ضرورت نہیں... ٹیکسی آپ کو یہاں پہنچا جائے گی۔“

”کام کیا ہے؟“

”ایک پوسٹر کے سلسلے میں بات کرنا ہے۔“

”اوہ... پوسٹر... تو پھر چلیے...“ اس نے خوش ہو کر کہا۔

وہ باہر نکل کر ٹیکسی میں بیٹھ گئے... جوں ہی ٹیکسی راجا سنز کے دفتر کے سامنے رُکی، رگو بابا پریشان ہو گیا، اس نے جلدی سے کہا:

”آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں۔“

”بتایا تو ہے... ایک پوسٹر کے بارے میں بات کرنا ہے۔“

”ہوں اچھا۔“ اس نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

اور وہ اسے لے کر اندر داخل ہوا... محمود اور راجا جوں کے توں بیٹھے ملے:

”لیجیے... رگو بابا حاضر ہیں۔“

”رگو بابا... آپ نے انسپکٹر مشکور صاحب کو بتایا تھا کہ پوسٹر آپ کو ایک درمیانے قد کا بھاری بھر کم جسم والا آدمی دے گیا تھا، لیکن ان کا بیان ہے کہ پوسٹر آپ یہاں سے خود لے گئے تھے... ذرا وضاحت کر دیں... کون سی بات سچ ہے اور کون سی غلط۔“

رگو بابا سکتے کے عالم میں رہ گیا، پھر اس نے سنبھل کر کہا:

”مم... میرے منہ سے غلط نکل گیا تھا... بعد میں مجھے احساس ہوا کہ یہ معاملہ بہت اہم معلوم ہوتا ہے، مجھے غلط بیانی نہیں کرنی چاہیے تھی۔“

”تو اس وقت آپ نے غلط بیانی کی تھی۔“

”بس بلاوجہ منہ سے جھوٹ بات نکل گئی... بعد میں اور بھی جھوٹ بولنا پڑا... پہلی بات کو سچ ثابت کرنے کے لیے۔“

”ہوں... آپ کا کردار اب مشکوک ہو گیا ہے... آپ کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن تک چلنا ہوگا اور اگر آپ نہیں جائیں گے تو ہم یہیں پولیس کو بلا لیں گے۔“

”مم... میں... میں کیا کہہ سکتا ہوں... چلیے چلتا ہوں۔“ اس نے کندھے اچکائے۔

وہ اسے لے کر تھانے پہنچے... انسپکٹر مشکور نے انھیں حیرت بھری نظروں سے دیکھا اور بولا:

”یہ آپ لوگ رگو بابا کو کیوں لے آئے؟“

”آپ کے سامنے رگو بابا نے یہ کہا تھا کہ پوسٹر انھیں ایک درمیانے قد کا بھاری بھر کم آدمی دے گیا تھا، لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے... راجا سنز والوں نے انھیں فون کیا تھا اور یہ وہاں سے پوسٹر خود لے کر آئے تھے... یہ بیان راجا سنز کے مالک کا ہے اور اب انھوں نے بھی یہ بات مان لی ہے، ان کا کہنا ہے کہ سوچے سمجھے بغیر ان کے منہ سے جھوٹ بات نکل گئی تھی... اس کو درست ثابت کرنے کے لیے انھیں اور جھوٹ بولنا پڑا... ہم انھیں آپ کے پاس صرف اس لیے لائے ہیں کہ سچ بات معلوم ہو سکے۔“

انسپکٹر مشکور کی تیز نظریں رگو بابا پر جم گئیں:

”کیوں رگو بابا... اب کیا کہتے ہو... دیکھو بالکل سچ بات اگلنا۔“

”سچ بات یہی ہے کہ میرے منہ سے جھوٹ بات نکل گئی تھی۔“

”لیکن حلیہ تم نے ایسے آدمی کا کیوں بتایا تھا جو سیٹھ بھلوان سے ملتا جلتا تھا۔“ محمود نے اسے گھورا۔

”کیا حلیہ بھی سوچے سمجھے بغیر منہ سے نکل گیا تھا۔“ فاروق کے لہجے میں طنز تھا۔

”رگو بابا گڑبڑا گیا... اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی، چہرے کا رنگ اڑتا نظر آیا۔

”ہوں ضرور دال میں کالا ہے... آپ جایئے، میں اس سے سچ اگلوا لوں گا۔“

”لیکن ہم چاہتے ہیں، جب یہ سچ اُگلے تو ہم بھی اس کے قریب موجود ہوں۔“ محمود نے فوراً کہا۔

”اچھی بات ہے... آیئے... اسے ابھی کمرۂ خاص میں لے چلیں۔“ یہ کہہ کر انسپکٹر مشکور نے گھنٹی بجائی۔ فوراً ایک کانسٹیبل اندر داخل ہوا:

”بابا جی کو کمرۂ خاص میں لے چلو... انھیں سچ بولنے کی تربیت دینا ہے۔“

”اوہ اچھا... چلیے بڑے میاں۔“ کانسٹیبل نے دانت نکال کر رگو بابا سے کہا۔

”نن... نہیں... نہیں... مجھ پر ظلم نہ کریں... میں نے جھوٹ نہیں بولا۔“

”ہم نے یہ کب کہا ہے کہ آپ نے جھوٹ بولا ہے، یہ تو خود آپ نے بتایا ہے۔“ فاروق مسکرایا۔

”یہ بات سوچے سمجھے بغیر آپ کے منہ سے نکل گئی... کہ پوسٹر آپ کو ایک آدمی دے گیا تھا، لیکن آپ نے حلیہ سیٹھ بھلوان کا کیسے بتا دیا... جب کہ پوسٹر سرے سے کوئی آدمی نہیں دے گیا تھا... خود جا کر لانا پڑے تھے، آپ کو۔“

”مم... میں... میں۔“ اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

”چلو بھئی... کمرۂ خاص میں جانا ہی ہوگا... اور ذرا جلدی کرو، کہیں اس کی کوئی سفارش نہ آجائے۔“

”یہ تو اور بھی اچھی بات ہے کہ ان کی سفارش آجائے... اس طرح ایک اور آدمی سامنے آجائے گا۔“ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

”ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔“ محمود نے کہا۔

اسی وقت قدموں کی آواز اُبھری، انھوں نے نظریں اُٹھائیں تو ایک لمبے قد کا آدمی چلا آرہا تھا:

”باسط راہی آپ کی خدمت میں حاضر ہے...

مسائل کی باتیں

س: گناہ کرنے سے آدمی کا ایمان جاتا رہتا ہے یا نہیں اور اسے کافر اور بے ایمان کہنا جائز ہے یا نہیں۔

ج: اگرچہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ چھوٹا ہو یا بڑا بہت ہی بری بات ہے، لیکن بڑے گناہ سے بھی کوئی مسلمان ایمان سے باہر نہیں ہوتا، کافر نہیں ہوتا، اس لیے اسے کافر یا بے ایمان کہنا جائز نہیں بلکہ گناہ ہے۔ یوں سمجھو کہ جب کوئی شخص کسی مسلمان کو کافر کہتا ہے تو اس کا وبال کہنے والے پر آتا ہے۔

حافظ آصف محمود قاسمی۔ لاہور

اس بارے میں حدیث:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تین چیزیں اصولِ ایمان میں داخل ہیں (اگر یہ نہ ہوں تو ایمان میں خلل آجائے۔ ایک یہ ہے کہ) لا الہ الا اللہ کہنے والے سے اپنی زبان کو روکے (یعنی اس کی نسبت بری بات اور برے عمل سے باز رہے) کسی گناہ کی وجہ سے اسے کافر نہ کہے اور کسی کام کی وجہ سے اسلام سے خارج نہ کرے۔ (ابوداؤد)

میں رگو بابا کا وکیل ہوں ... آپ کو ان سے جو بات بھی کرنا ہے، میری موجودگی میں کریں۔''

انھوں نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا... آخر انسپکٹر مشکور نے کہا:

''آیئے تشریف رکھیے ... خوشی ہوئی کہ آپ آئے، مسئلہ صرف یہ ہے کہ رگو بابا نے ہم سے جھوٹ بولا ہے ... ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ انھوں نے ایسا کیوں کیا۔''

''مہربانی فرما کر پوری بات بتائیں۔''

باسط راہی کو پوری بات بتائی گئی ...اس نے فوراً کہا:

''تب جھگڑا کیا ہے ... سیٹھ بھلوان اس وقت ان کے سامنے ہی تو موجود تھا... سوچے سمجھے بغیر ان کے منہ سے ان کا حلیہ نکل گیا۔''

''جی نہیں ... بھلوان کو تو انھوں نے حلیہ بتانے کے بعد دیکھا تھا اور یہ خود بھی حیران ہوئے تھے ... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نامعلوم آدمی نے انھیں یہ ہدایت دی تھی کہ جب ان سے پوسٹروں کے بارے میں پوچھا جائے تو یہ اصل بات نہ بتائیں ... یعنی یہ نہ کہیں کہ پوسٹر خود جا کر راجا سنز سے لائے تھے، بلکہ یہ کہیں کہ انھیں اس حلیے کا ایک آدمی دے گیا تھا۔''

''تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ رگو بابا کا اس نامعلوم آدمی سے کوئی تعلق ہے۔'' وکیل نے بُرا سا منہ بنایا۔

''ہاں ... ہمارا خیال یہی ہے۔'' انسپکٹر مشکور نے پُرزور لہجے میں کہا۔

''تو پھر پہلے ثبوت پیش کریں اور اس کے بعد رگو بابا کو گرفتار کریں ... آپ انھیں حراست میں رکھ کر خوف زدہ کر کے بیان نہیں لے سکتے۔''

انھوں نے بے بسی کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر انسپکٹر مشکور نے کہا:

''اچھی بات ہے ... اب ہم رگو بابا کے خلاف باقاعدہ پرچہ درج کریں گے۔''

''ضرور ضرور ... آیئے رگو بابا چلیں۔'' وکیل نے شوخ انداز میں کہا۔

دونوں اُٹھے اور باہر چلے گئے۔

''یہ کیا ہوا۔'' انسپکٹر مشکور بولے۔

''پہلے سے بھی اچھا ہوا ... ایک اور آدمی ہمارے سامنے آ گیا ... آؤ فاروق چلیں، ہمیں ان کا تعاقب کرنا ہے۔'' محمود جلدی سے بولا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''کیا میں بھی چلوں؟'' انسپکٹر مشکور نے پوچھا۔

''نہیں ... اس طرح انھیں تعاقب کا احساس ہو جائے گا... یہ کام صرف ہمیں کرنے دیں۔''

دونوں باہر نکل کر تیر کی طرح ٹیکسی کی طرف بڑھے ... اسی وقت انھوں نے تھانے کے سامنے کھڑی ایک سرخ کار کو حرکت میں آتے دیکھا... اس کی اگلی سیٹ پر انھوں نے وکیل کی جھلک صاف دیکھی تھی ... ٹیکسی ڈرائیور اونگھ رہا تھا... انھوں نے دروازہ کھولا تو چونک اُٹھا:

''اوہ ... آپ آ گئے۔''

''آپ شاید اونگھنے کے بہت شوقین ہیں۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''جب آپ جیسی سواریاں مل جائیں تو پھر مجبوراً اونگھنا پڑتا ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا یہ بتائیں ... تعاقب کا کوئی تجربہ ہے۔''

''تعاقب کا تجربہ ... کیا مطلب ... میں سمجھا نہیں۔''

''ہمیں اس سرخ کار کا تعاقب کرنا ہے، لیکن اس انداز سے کہ ان لوگوں کو کانوں کان خبر نہ ہو۔''

''یہ کیا مشکل ہے ... آپ تشریف رکھیے۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

''شکریہ دوست ... آپ کا نام کیا ہے؟''

''شریف بھائی۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''شریف بھائی ... یہ کیسا نام ہوا۔''

''بس شریفانہ سا نام ہے۔'' اس نے کہا۔

''ہوں ... چلیے ٹھیک ہے ... ہمیں منظور ہے ... سرخ کار نظروں سے اوجھل ہو چلی ہے۔'' فاروق بولا۔

''اس کی آپ فکر نہ کریں ... یہ آپ نے کیا کہا کہ ہمیں منظور ہے۔'' اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

''آپ کا نام ... ہمیں منظور ہے۔'' فاروق نے وضاحت کی۔

''اوہ اچھا... شکریہ۔'' اس نے ہنس کر کہا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔

جلد ہی انھوں نے محسوس کر لیا کہ وہ واقعی تعاقب میں ماہر ہے ... اس نے درمیانی فاصلہ اتنا رکھا کہ تمام وقت سرخ کار قریب قریب نظروں سے اوجھل رہی ... درمیان میں دوسری کاریں بھی آتی جاتی رہیں، لیکن اس نے تعاقب جاری رکھا ... اور سرخ کار کو غائب نہیں ہونے دیا، یہاں تک کہ وہ ایک کوٹھی میں داخل ہو گئی:

''بھئی واہ ... مان گئے شریف بھائی آپ کو۔''

''شکریہ ... اب کیا کرنا ہے۔''

''بس یہیں اتار دیں اور ہمارا انتظار کریں۔''

اس نے ٹیکسی روک لی ... دونوں اُتر کر اس کوٹھی کی طرف بڑھے ہی تھے کہ شریف بھائی کی چونکا دینے والی آواز سنائی دی:

''ارے ... یہ کوٹھی تو اس کی ہے۔''

''جی ... کس کی ہے؟''

''ایک بدنام آدمی کی ... وہ پورے قصبے میں بدنام ہے ... اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کے قبضے میں بدروحیں ہیں ... اور یہ کہ وہ کالا علم جانتا ہے ... کالے علم کے زور سے لوگوں کے مسائل حل کرتا ہے ... لوگ اس سے اپنی چوریوں کا پتا پوچھنے آتے ہیں ... یہ کالے علم کے ذریعے پتا لگا کر چور کے بارے میں بتا دیتا ہے ... وہ لوگ جا کر پولیس کو بتاتے ہیں اور چور کو پکڑ لیتے ہیں ... چور چوری کا اقبال کر لیتا ہے ... اس طرح اس شخص کی شہرت میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے ... اس کوٹھی کی جگہ پہلے ایک سادہ سا مکان تھا... دیکھتے ہی دیکھتے یہاں کوٹھی بن گئی ...'' شریف بھائی جلدی جلدی کہ گیا۔

''شکریہ شریف بھائی ... ہم اس جادوگر کو ایک نظر دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''تو آپ بھی جا کر دروازہ کھٹکھٹا دیں ... اپنا کوئی مسئلہ پیش کر دیں۔''

''ویری گڈ ... اچھی ترکیب ہے ...'' فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

دونوں کوٹھی کے دروازے پر پہنچے ... اندر سرخ کار کھڑی تھی، لیکن وکیل اور رگو بابا نظر نہیں آ رہے تھے ... محمود نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا... ایک ملازم نے جلد ہی دروازہ کھولا:

''ہاں! کیا بات ہے؟''

''ایک چوری کا معاملہ ہے۔''

''آ جاؤ اندر ... فیس لائے ہو؟''

''ہم خالی جیب نہیں ہیں۔''

''اور یہ اچھی بات ہے ... پہلے تو میری فیس نکالو...'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

''جی کیا مطلب؟ آپ کی فیس۔'' (جاری)

فضل یا عدل

قیامت کے دن اللہ کا معاملہ فضل کا ہوگا یا عدل کا۔ رابطے کا ہوگا یا ضابطے کا، مہربانی کا ہوگا یا قانون کا۔ اگر مسلمانوں سے عدل کا معاملہ ہوا تو گناہوں کے بقدر جہنم میں رکھا جائے گا، تاکہ گناہوں سے پاک صاف کر دیے جائیں اور اگر فضل کا معاملہ ہوا، تو سیدھا جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ عدل کا تقاضا ہے کہ نیکیوں کو زیادہ کیا جائے، عدل کا حاصل خوف ہے اور فضل کا حاصل امید ہے۔ خوف اس قدر بھی مفید نہیں ہے جو ہلاکت کا باعث بنے اور امید بھی اس قدر مفید نہیں ہے کہ گناہوں پر جری کر دے، بلکہ امید اور خوف کے درمیان کا نام ''ایمان'' ہے۔

افراح رضوان۔ کراچی

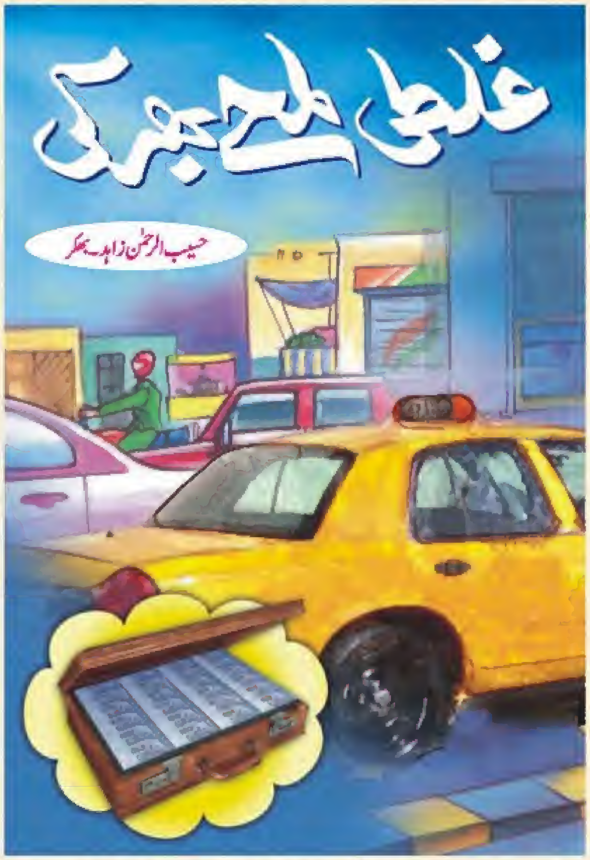

یہ ان دنوں کی بات ہے جب روزگار کے سلسلے میں میں اپنے گاؤں سے رخت سفر باندھ کر لاہور گیا ہوا تھا۔ لاہور میں مختلف قسم کے کاموں میں ٹانگیں اڑا کے تقریباً میری جیب خالی ہو چکی تھی۔ ایسے میں میرے ایک دوست نے مجھے مشورہ دیا کہ کیوں نہ میں کرائے پر ٹیکسی حاصل کرلوں۔ لاہور شہر میں سواری ویسے بھی زیادہ تھی، اس لیے مجھے اس کا مشورہ معقول لگا اور میں نے ایک رینٹ اے کار والوں سے بات پکی کرلی۔ شہر میں ڈرائیوری کا تجربہ میرے لیے بہت دلچسپیاں پیدا کر رہا تھا۔ کسی سواری کو گھر کا راستہ معلوم نہیں ہوتا تھا تو کوئی اپنا سامان ٹیکسی میں بھول جاتا تھا۔ میں گاؤں کا سیدھا سادھا اور زان پڑھ انسان تھا، اس لیے چالاکی اور عیاری کے گُر مجھے نہیں آتے تھے۔ بہت سادگی سے اتنا کرایہ بتاتا کہ پورا دن مسلسل سواریاں اٹھانے کے بعد بمشکل معقول مزدوری بنتی۔

ایک دن میں ٹیکسی اسٹینڈ پر سواری کے انتظار میں کھڑا تھا کہ ایک باباجی میرے پاس آئے۔ موٹی موٹی سرآنکھیں اور چھریرا بدن، بڑی عجیب سی شکل لگ رہی تھی ان کی۔ مجھے حکم دینے والے انداز میں بولے:

''باغبانپورہ چلو۔'' جی اچھا کہہ کر میں نے ٹیکسی سٹارٹ کی۔ باباجی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ سائڈ کے شیشے کی طرف دیکھا تو باباجی کی نظریں مجھ پر لگی ہوئی تھیں۔ باغبانپورہ پہنچنے پر باباجی میرا کرایہ ادا کر کے ایک گلی کی طرف مڑ گئے۔ میں نے پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا تو وہاں کالے رنگ کا چھوٹا سا بریف کیس پڑا تھا۔ یہ وہ بھول گئے۔ میرے منہ سے ایک دم اوہ نکلا اور میں فوراً ٹیکسی سٹارٹ کر کے اس گلی کی طرف نکل پڑا جس کی طرف باباجی مڑے تھے مگر اب باباجی وہاں موجود نہیں تھے۔ کافی دیر تک مختلف گلیوں کا مٹر گشت کرنے کے بعد باباجی نہ ملے۔ تو ایک ہوٹل میں بھوک مٹانے کے بعد میں اپنی رہائش گاہ کی طرف چل دیا۔ باباجی کا بیگ میرے ہاتھ میں تھا۔ سوچا کھول کر دیکھ لوں تاکہ چیز کی قیمت کے مطابق باباجی کی تلاش جاری رکھی جائے۔

بیگ کھولنے پر مجھے حیرت کا عجیب جھٹکا لگا۔ بیگ میں دس دس ہزار کی سوگڈیاں موجود تھیں، یعنی پورا ایک کروڑ روپیہ۔ میں سوچنے لگا باباجی ضرور میری تلاش میں ہوں گے، اس لیے وہ ٹیکسی اسٹینڈ کا بھی رخ کریں گے اور مجھ تک پہنچ جائیں گے۔ پریشانی کی کوئی ضرورت نہیں مگر ایسا نہ ہوا۔ پانچ دن گزرنے کے باوجود بھی باباجی نہ آئے۔ ان پانچ دنوں میں ہر گزرنے والے بوڑھے شخص کو میں غور سے دیکھتا کہ شاید یہ وہی باباجی ہوں۔ چھٹے دن مجھے ایک دوست نے کہا کہ میں اسے شادی کے سلسلے میں فیصل آباد لے چلوں۔ میں تیار ہو گیا۔ شادی فیصل آباد کے ایک دور دراز گاؤں میں تھی۔ دوست کو میں نے اس کے متعلقہ مقام پر پہنچا دیا اور خود ایک قریبی مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے چلا گیا۔

فرائض ادا کرنے کے بعد میں پچھلی صف کی طرف مڑا تو حیرت سے میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہی باباجی نماز پڑھنے میں مصروف تھے۔ مجھے عجیب خوشی محسوس ہونے لگی۔ میں نے سوچا باباجی مجھے خود ہی ملیں گے۔ ظاہری بات ہے، ان کی اتنی بڑی رقم میرے پاس ہی تھی مگر ایسا نہ ہوا باباجی نماز ادا کرنے کے بعد باہر جانے لگے تو میں ان کے سامنے آگیا۔ انھیں سلام کرنے کے بعد پانچ دن پہلے والا واقعہ انھیں یاد دلایا۔ باباجی حیرت سے مجھے تکنے لگے اور پھر تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ آپ کی امانت میری ٹیکسی کے خفیہ خانے میں پڑی ہے۔ پہلے جا کے وہ لے آتا ہوں۔ میں نے باباجی سے کہا تو انھوں نے انکار میں سر ہلایا اور کہنے لگے آپ میرے گھر چلو۔ گھر پہنچنے پر باباجی نے کہا۔ بیٹا میں تمھیں پہلے ایک کہانی سناتا ہوں۔ میں باباجی کو حیرت سے تکنے لگا۔ عجیب شخص ہے، مجھے تو پاگل لگتا ہے۔ میں نے دل ہی دل میں کہا اور پھر بولا: جی سنائیے! تو سن بیٹا! باباجی بولے اور اپنی کہانی سنانے لگے۔ آج سے بیس سال پہلے میں بھی لاہور میں ٹیکسی چلاتا تھا۔ اللہ نے مجھے عجیب صلاحیت دی تھی۔ کسی بھی انسان کو دیکھنے سے مجھے پتا چل جاتا تھا کہ وہ کہاں سے آیا ہے۔ کسی گاڑی کے ٹائر کی مٹی چکھنے سے مجھے پتا چل جاتا تھا کہ وہ کہاں سے آئی ہے۔ اپنی اس صلاحیت پر مجھے گھمنڈ بھی تھا۔ ایک دن ایک مسافر کے ہاتھ میں وہی ایک کروڑ والا بیگ تھا۔ پتا نہیں کیوں وہ بیگ میری ٹیکسی میں بھول گیا۔ میں نے فوری طور پر اسے آواز نہ دی۔ سوچا کہ اسے اچانک رقم پہنچا کے حیرت میں ڈال دوں گا۔

اپنے اس شوق کو پورا کرنے کے لیے میں نے مزید ظلم یہ کیا کہ فوراً ٹیکسی سٹارٹ کی اور وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔ میرے خیال میں وہ بندہ گوجرانوالہ سے آیا تھا مگر پورا گوجرانوالہ چھاننے کے باوجود وہ مجھے نہ ملا۔ پندرہ سال مسلسل اسے لاہور میں تلاش کیا مگر پھر بھی وہ نہ ملا۔ اب اللہ کے پاس جانے کا وقت آگیا ہے، اس لیے سوچا کہ وہ رقم جس طریقے سے آئی تھی، اسی طریقے سے ٹھکانے لگا دوں۔ باباجی کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

''تو آپ مجھے بھی اپنی طرح ساری زندگی اسی عذاب میں ڈالنا چاہتے ہیں۔''

یہ کہہ کر میں نے باباجی کو بیگ تھمادیا اور واپس چل پڑا

تقریری مقابلہ

ادیب علی۔ کراچی

''ٹھک ... ٹھک ... امی جلدی دروازہ کھولیں، میں پورے تین منٹ لیٹ ہو چکا ہوں۔'' ناصر نے دروازے پر دستک کے ساتھ ہی چلانا شروع کر دیا۔

''اچھا اچھا کھولتی ہوں۔'' اندر سے امی کی آواز آئی۔ ''اتنی بھی کیا جلدی ہے جو شور مچایا ہوا ہے۔''

''امی دراصل بہت بڑا تقریری مقابلہ ہے، صدیق خان کو بھی تیاری کروانی ہے اور خود بھی تیاری کرنی ہے اور تھوڑا سا اور کام بھی ہے اور وقت صرف آج کی رات ہے۔''

''تو کیا ہوا۔ ابھی تو عصر کا وقت ہوا ہے، اچھا خاصا ٹائم ہے۔''

''امی آپ کو تو معلوم ہے کہ مجھے وقت کا بہت خیال ہوتا ہے۔''

''ہاں ... ہاں ٹھیک ہے ... چلو تم، میں شربت لاتی ہوں۔'' امی نے ناصر کے ماتھے پر پسینہ دیکھ کر کہا اور کچن کی طرف چل دیں۔ ناصر نے اپنے بیگ میں رکھی تقریر کی کتاب پر ہاتھ رکھا اور اس کے اندر چھپی ہوئی ایک چیز کی موجودگی کی تسلی کی۔ اس کے چہرے پر ایک اطمینان پھیل گیا۔

○

''بھئی ... تم پورے گیارہ منٹ لیٹ ہو۔'' ناصر نے شکوہ کیا۔

''ہاں بھئی ... اصل میں آج عصر کی نماز میں غلطی ہو گئی تھی۔ نماز دو مرتبہ پڑھنی پڑی۔'' صدیق خان نے جواب دیا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔''

''عنوان تو سر نے بہت خطرناک دیا ... میڈیا کی تباہ کاریاں۔'' ناصر نے تقریر کے عنوان پر تبصرہ کیا۔

''جتنا بھی خطرناک ہو، تم سے مقابلہ کرنا کوئی آسان کام تو نہیں ہے۔''

''بس بھئی اللہ کی دین ہے، میں نے کبھی خود کو بڑا نہیں سمجھا۔'' ناصر نے انکساری سے جواب دیا۔ پھر وہ صدیق خان کو تقریر کی تیاری کرانے لگا۔ اس نے جوش سے میز پر ہاتھ مارا اور بولا:

''میڈیا ... ایک زنگ ہے جو آج کے لوہے جیسے مضبوط نوجوانوں کو مٹی میں ملا رہا ہے ... نوجوان جو انجینئر اور ڈاکٹر بننے کے خواب دیکھا کرتا تھا، اب ہیرو بننا اس کی منزل بن چکی ہے۔'' ناصر نے پر جوش لہجے میں کہا۔

''بھئی ... کل تم اس طرح گرجو گے تو سب گرجا گھر گر جائیں گے۔'' صدیق خان کی بات پر ناصر مسکرا دیا۔ وہ خالد کو تقریر کا اتار چڑھاؤ بتا رہا تھا۔

''آج کا نوجوان ... میڈیا کی دھمک کا شکار ہو چکا ہے ... اس میڈیا کی گندگی نے ہم سے ہمارے دماغ چھین لیے ہیں اور ... اور ... اور ... سامعین پاکستان سے پاکستانی چھین لیے ہیں۔''

''واہ ... واہ ... واہ ... کیا زبردست بولتے ہو یار تم ایسی باتیں تو تم مجھے بتا رہے ہو، کل خود کیا سناؤ گے۔'' صدیق خان نے جب یہ پوائنٹ لکھا تو عش عش کر اٹھا۔ اب وہ تقریر کے آخری نکات لکھ رہا تھا۔

''آج ہم نے دیکھا ہے کہ لوہے کو زنگ لگتا ہے، مگر سامعین ... آج کا دور ایسا ہے کہ اس نے ہیروں کو بھی زنگ سے آلود کر دیا ہے ... جی وہ ہیرے آپ کے ملک کے نوجوان ہیں اور زنگ ... میڈیا ہے!'' ناصر نے خالد کو یہ جملے لکھا دیے، اس کی کچھ مشق کروائی۔ تقریر کی ابتداء اور انتہا کا طریقہ کار سمجھایا۔ صدیق خان کا چہرہ ہمیشہ کی طرح جذبات سے بھرا ہوا تھا۔ ایک تو اس انتہائی مشکل موضوع پر اتنے درست طریقے سے تیاری ہو چکی تھی اور دوسری طرف وہ ناصر کا شکر گزار تھا۔ کیونکہ، مقابلے کا انعام بہت شان دار تھا اور ناصر خود اس مقابلے میں شریک تھا۔ اس نے اپنے مدمقابل کو تقریر کرنا سکھایا تھا۔ صدیق خان تو چلا گیا اس کے بعد ناصر نے کاپی قلم نکالا۔ کتاب نکالی اور اس سے نکات لکھنے لگا۔ سات منٹ کی تقریر تیار کرنے میں اس نے ایک گھنٹہ لگا دیا۔ اس کے بعد آئینے کے سامنے کھڑا ہو گیا اور تقریر کرنا شروع کر دیا۔

''وہ آدمی جشن آزادی کیوں مناتا ہے، جو اپنا لباس پہننے میں ذلت محسوس کرے۔ وہ قوم حکومت کیوں مانگتی جو اپنی زبان بولنے میں عار محسوس کرے۔ یہ وہ قوم ہے جس کے ٹی وی پر سو سے زیادہ چینل چلتے ہیں۔ یہ وہ قوم ہے جس میں فلموں کی دکانیں اپنا کاروبار چمکا رہی ہیں۔ یہ وہ قوم ہے جو سینما جانے کی پابندی تو کرتی ہے، مسجد جانے کو بوجھ سمجھتی ہے اور۔''

''نعرۂ تکبیر۔'' ایک آواز آئی، وہ ایک دم مڑا تو دروازے میں اس کے ابا اور امی کھڑے تھے۔

''زندہ باد ... بیٹا ... تم مقابلہ ضرور جیتو گے۔''

''وہ کیسے ابا جان ... ابھی تو کل مقابلہ ہونا ہے۔'' اس نے امی ابو کو بٹھاتے ہوئے کہا۔

''زبان کی روانی، الفاظ کا زور تو ہے مگر تم نے اپنے مدمقابل کو تقریر یاد کروا کر زندہ دلی کا ثبوت دیا ہے، ایسے زندہ دل کبھی شکست نہیں کھاتے۔'' ابا کچھ دیر رکے اور پھر بولے:

''لیکن ایک بات ماننی پڑے گی۔''

''وہ کیا ابو جان؟''

''کل دنیا تمہیں بھی پاگل کہے گی۔''

''وہ کیوں؟'' وہ حیرت سے پھٹ پڑا۔

''وہ اس لیے کہ رات بارہ بجے اس انداز میں تیاری کرو گے کہ تین محلے اٹھ کر دیکھنے آ جائیں تو خود ہی پاگل مشہور ہو جاؤ گے۔'' ابا کے جملے سے کمرے میں مسکراہٹ پھیل گئی۔ ابو، امی اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ناصر کی تقریر تیار ہو چکی تھی۔ اس نے کپڑے تبدیل کیے، اپنے بیگ پر مخصوص انداز میں ہاتھ لگایا تو اس کے چہرے پر تسلی کے آثار آ گئے۔ کمرہ بند کیا، زیرو کا بلب جلایا۔ ساتھ ہی بستر میں بیٹھ کر اس نے کمپیوٹر آن کیا، ہیڈ فون لگایا اور بیگ کھولا، اس میں سے ایک چیز نکالی اور کمپیوٹر میں ڈال دی۔ یہ انڈیا کی ایک فلم تھی۔ تین گھنٹے تک وہ فلم چلی۔ گھڑی دیکھی تو معلوم ہوا کہ رات کے تین بج چکے ہیں۔ نیند اس کی آنکھوں سے میلوں دور تھی۔ اس نے دوسری سی ڈی ڈالی تو بجلی چلی گئی۔ یو پی ایس نے کام کرنا شروع کیا اور ساتھ ہی آٹومیٹک جنریٹر آن ہو گیا۔ ایک خیال کے تحت اس نے سی ڈی واپس نکالی۔

''کل دیکھوں گا۔'' خود سے سرگوشی کی اور سی ڈی اپنے مخصوص لاکر میں رکھی۔ یہاں چند سو سی ڈیاں پہلے سے موجود تھیں۔ وہ اپنے بستر پر آ گیا۔ کچھ دیر خیالات سے مقابلہ آزمائی کے بعد وہ سو گیا۔ نو بجے امی نے کھینچ کر اٹھایا، لیکن اس کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔

''بیٹا ... گیارہ بجے تقریری مقابلہ شروع ہونا ہے۔ جلدی تیار ہو جاؤ۔''

وہ اٹھا اور تیار ہونے لگا۔ ملکی سطح کے مقابلے کی یہ آخری نشست تھی۔ اس میں دس منتخب طلباء تھے۔ ناصر کا نمبر آخری تھا۔ اپنے وقت پر وہ مقابلے کے پنڈال میں پہنچ گیا۔ وزیر تعلیم کے ساتھ بڑے بڑے عہدے دار آئے ہوئے تھے۔ تقریریں شروع ہو گئیں۔ ہر کوئی ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ آخر سے پہلا نمبر صدیق خان کا تھا۔ اس کی

تیاری بہت شان دار تھی۔ ناصر کو پہلی مرتبہ صدیق خان کی تقریر سن کر گھبراہٹ ہوئی۔ سات منٹ پر صدیق خان نے اپنی تقریر ختم کردی۔ اس کے بعد ناصر کا نمبر آیا۔ ناصر ڈائس پر کھڑا ہوا:

ناصر نے ہاتھ لہرا کر سب کو روکا۔ پورا مجمع ایک سوئی کی طرح ناصر کے ایک ایک لفظ کو پرو رہا تھا۔ ناصر کی تقریر کے سامنے سب مقابلے بازوں کی تقریریں بالکل فضول سی نظر آرہی تھیں۔ انگریزی، اردو، عربی، فارسی کا بے مثال استعمال اسے لاجواب بناتا ہوا چلا گیا۔ تقریر کے آخری لفظ کے دو سیکنڈ بعد گھنٹی بج گئی۔ جو انتہائی وقت کی پابندی کی علامت تھی۔ نتیجہ بالکل واضح تھا۔ کافی دیر تک ناصر کی حوصلہ افزائی میں تالیاں بجتی رہیں، جو واضح جیت کی علامت تھی۔ مقابلے بازوں نے کھڑے ہو کر ناصر کا استقبال کیا، جو دل سے اس کی فتح کو ابھی سے تسلیم کر چکے تھے۔ ایک گھنٹے بعد نتیجے کا اعلان ہوا:

"تیسری پوزیشن لینے والے ہیں ... سینٹرل ماڈل کالج اسلام آباد کے "فرحان قیصر" ان کے لیے پچاس ہزار روپے کا انعام ہے اور انعامی شیلڈ ہے۔" فرحان آیا اور مبارک باد وصول کی۔

"دوسری پوزیشن سٹی کالج کراچی کے طالب علم صدیق خان قریشی نے لی ہے۔ ان کے لیے ایک لاکھ روپے کا انعام اور انعامی شیلڈ ہے۔" صدیق خان نے ناصر سے ہاتھ ملایا: "یہ تمہارا ہی احسان ہے دوست" کہتے ہوئے اپنا انعام وصول کرنے چلا گیا۔

"پہلی پوزیشن لینے والے ... وہی مقرر ہیں جو سب کا دل جیت چکے ہیں، جی ہاں! ناصر الدین غوری ... ان کا تعلق بھی سٹی کالج کراچی سے ہے ... میں ان سے درخواست کرتا ہوں ... وہ آئیں اور اپنا انعام وصول کریں ... انھیں انعام کے طور پر میڈل، شیلڈ اور دو لاکھ روپیہ دیا جا رہا ہے اور۔"

وہ کچھ دیر کے لیے رکے، خاموش مجمعے پر ایک نظر ڈالی اور پھر بولے:

"اس کے ساتھ ہی پچاس ہزار کا انعام وزیر تعلیم جناب سراج کھوسہ صاحب نے دیا ہے ... اور دیگر حکومتی ارکان نے پانچ پانچ ہزار کا نقد انعام دیا ہے ... جناب صدر نے انھیں ایک اور اعزاز دیا ہے کہ۔"

وہ ایک بار پھر رکے، سب کی حیرت اور دلچسپی سے گم سٹی دیکھتے ہوئے بولے:

"یہ ہونہار مقرر مزید دو منٹ تک ڈائس پر آ کر ہمیں کوئی پیغام دیں۔"

ناصر کرسی سے اٹھا، سٹی کالج کے سب طلباء ناصر کے لیے کھڑے ہو گئے۔ وزیر تعلیم نے خود اپنے ہاتھ سے اسے میڈل پہنایا۔ انعامی شیلڈ دی اور رقم کا چیک اور نقد انعام سے بھرا بریف کیس دیا۔ وہ سب انعامات وصول کر کے ڈائس پر آیا۔

"میں آپ سب کا شکر گزار ہوں ... میں اس قابل نہیں کہ کوئی پیغام دے سکوں ... بڑوں نے مجھ نالائق کو اتنی عزت دی ہے کہ میرے سب حروف ہوا میں بکھر چکے ہیں۔"

اتنا کہہ کر اس نے سر جھکا لیا۔ چند سیکنڈ خاموشی رہی، پھر دوبارہ آواز گونجی:

"بچوں کی فلاح و بہبود کے لیے فلاحی ادارہ "تنظیم پاکستان" کے صدر جناب معاویہ علیم صدیقی صاحب سے گزارش کرتا ہوں، وہ اسٹیج پر آئیں۔ مجھے جو بھی انعام ملا ہے میں سب کا سب اس عظیم تنظیم کو دیتا ہوں جو میرے ملک کے بچوں اور نوجوانوں کو گمراہی کی گہری کھائی سے نکال رہی ہے۔" اس کے ساتھ حیرت اور تالیوں کا نہ رکنے والا طوفان تھا۔ اسی طوفان میں ناصر ان سب چیزوں سے بے نیاز، عاجزی سے سر جھکائے ہوئے ڈائس سے نیچے اترا۔ اپنی کرسی پر پہنچا۔ اتنی دیر میں اس کے موبائل کی گھنٹی بجی:

"ہاں بھئی ... کوئی نیا مال آگیا ہے کیا؟"

"تین ہیں۔"

"کون سی تین؟ بے قراری ہو رہی ہے جلدی بتاؤ؟"

"ایک چائنہ کی ہے، بہت خطرناک لڑائی ہے اس میں، میں دیکھ بھی چکا ہوں۔"

"اور باقی دو کون سی ہیں جلدی بتاؤ۔" ناصر فلموں کا پوچھ رہا تھا۔

"باقی دو انڈین ہیں، بہت شان دار ہیں، دیکھو گے تو پچھلی سب بھول جاؤ گے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ٹھیک ہے پیکٹ بنا دینا۔ میں مصروف ہوں، شام تک اٹھاؤں گا۔" ناصر ساری تعریفوں اور داد سے بے نیاز فون پر ہدایت دے رہا تھا۔

O

مؤرخ یہ سب دیکھ رہا تھا، اور لکھ رہا تھا:

"جس بانس پر جھنڈا لگایا گیا ہے وہ بانس خود کو دوسرے ہاتھوں کیڑا لگوا بیٹھا تھا۔ جی ہاں ہیروں کو زنگ لگ چکا تھا۔" اب مؤرخ اس انتظار میں تھا کہ کروڑوں کا ہیرا کب مٹی کا ڈھیلا بنے گا۔ کاش کہ انسانوں میں جانوروں کی یہ خصلت ہوتی کہ وہ دوسرے کے سامنے اور تنہائی میں ایک جیسے ہوتے۔ لیکن نہیں! انسان تو تنہائی میں اور بھی زیادہ اچھا ہوتا ہے۔"

مسکراہٹ کے پھول

☆ ایک شخص سائیکل پر بہت تیزی سے ایک پیدل شخص کے پاس سے گزرا، لیکن پھر آگے جا کر رک گیا اور واپس پلٹ کر اس سے بولا:

"آپ نے مجھے پہچانا۔"

اس نے کہا:

"جی نہیں۔"

سائیکل والا فوراً بولا:

"میں وہی ہوں جو ابھی ابھی آپ کے پاس سے گزرا تھا۔" (محمد عبداللہ۔ ہارون آباد)

☆ سردار کا دوست: سردار جی! آپ کے بال بہت خوب صورت ہیں۔ آپ ان میں کیا لگاتے ہیں

سردار: (خوش ہو کر) سرف ایکسل۔

☆ استاد: اگر کوئی چور کسی گھر میں چوری کر رہا ہو اور وہاں پولیس پہنچ جائے تو وہ چور کیا کرے گا۔

شاگرد: اپنے بھائیوں کو دیکھ کر خوش ہوگا۔ (م۔م۔ح۔ کراچی)

☆ استاد: یہ کون سا زمانہ ہے، تم چل رہے ہو، ہم چل رہے ہیں، وہ چل رہے ہیں، میں چل رہا ہوں

شاگرد: سر یہ جلوس کا زمانہ ہے۔ (اقرا امجد۔ گوجرانوالہ)

☆ بیٹا: ابو! لائیے میرا انعام! آج میں نے امتحان میں پورے دس نمبر لیے ہیں۔

باپ: (خوش ہو کر) بہت خوب بیٹا! تم نے کون سے مضمون میں دس نمبر لیے ہیں۔

بیٹا: انگریزی میں صفر اور اردو میں ایک۔ (کاشف یوسف۔ جھنگ)

☆ استاد: بتاؤ تارے دن میں کیوں نظر نہیں آتے۔

شاگرد: رات کو ہم سوتے ہیں، دن میں تارے سو جاتے ہیں۔ (انصر علی۔ وہاڑی)

☆ ایک راہگیر: (سردار جی سے) سردار جی! آج کیا دن ہے۔

سردار: معاف کرنا! میں اس شہر میں نیا ہوں۔ (خنسا منور دین۔ فیصل آباد)

☆ کانسٹیبل: (سائیکل سوار سے) میں نے تمھیں رکنے کا اشارہ کیا تھا، تم رکے کیوں نہیں۔

سردار: جی میں سمجھا! آپ مجھے سلام کر رہے ہیں۔ (منور دین۔ فیصل آباد)

☆ استاد: بتاؤ! بگلے ایک ٹانگ پر کیوں کھڑے ہوتے ہیں۔

شاگرد: وہ سوچتے ہیں۔ جب ایک ٹانگ سے کام چل جاتا ہے تو دوسری کو کیوں تھکایا جائے۔

(طلحہ عبدالرحمٰن۔ کراچی)

ماموں کے ساتھ ایک نشست

ایک مضمون بہت خوب صورت

ابوعافیہ۔پشاور

الحمدللہ میرے ماموں صاحب اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ان کی عمر تقریباً 58 سال ہے۔میں ان کی تعلیم کے بارے میں نہیں بتاتا، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو کہ پھر ایم اے، ایم ایڈ والے کہیں چھپنے کی کوشش کریں اور پھر کبھی نظر ہی نہ آئے، چھپنے سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ جن قارئین کو نیوز چینل سے چڑ ہے، وہ تو سکون کا سانس لیں گے، مگر وہ قارئین جو نیوز چینل کے دیوانے ہیں، ان کے لیے یہ بات پریشانی کا سبب ضرور ہوگی۔ بہرحال قصے کی طرف آتا ہوں، ہم تمام چچا زاد، ماموں زاد، خالہ زاد وغیرہ ہر عید پر گاؤں میں جمع ہوتے ہیں۔ پچھلی عیدالفطر میں بھی اسی طرح جمع ہوئے تھے، ہم تمام لڑکے بیٹھک میں بیٹھے تھے اور آپس میں گپ شپ کر رہے تھے کہ ماموں جان اندر داخل ہوئے، سب کے ساتھ ہاتھ ملایا اور بیٹھ گئے۔ ابھی وہ خیر خیریت پوچھ رہے تھے کہ ان کی نظر دیواروں اور چھت پر بنے ہوئے مکڑی کے جالوں پر پڑی تو فرمایا کہ جب انسان کہیں بیٹھے تو اس جگہ کو صاف رکھے، اور پھر انھوں نے ایک لڑکے سے فرمایا کہ جاؤ اور باہر بکائن کے درخت سے ایک ٹہنی توڑ کر لے آؤ۔ وہ لے آیا تو فرمایا کہ اب اس کے ذریعے سے جالوں کو ختم کر دو اور پھر اس ٹہنی کو تمام دیواروں میں پھیر دو، جب جالوں کو ختم کر دیا گیا، دیواروں پر ٹہنی کو پھیر دیا گیا، تو ماموں جان کہنے لگے:

''تم نے آج اس مجلس میں کیا سیکھا۔'' ہر لڑکے نے اپنے ذہن اور سوچ کے مطابق جواب دیا۔ آخر میں ماموں جان نے فرمایا:

''آج ہم نے یہ سیکھا کہ ہم جہاں بھی بیٹھیں، تو اپنے گرد و پیش پر نظر رکھیں اور اپنے اردگرد کا جائزہ لیں اور دوسری بات یہ فرمائی کہ جو چیز ہمیں نامناسب نظر آئے تو اس کو درست کریں اور جہاں ہم بیٹھیں وہ جگہ ہم صاف رکھے، انھوں نے فرمایا کہ آج ہم نے یہ بھی سیکھا کہ ہم اپنا کام خود کریں کہ جب ہم نے کوئی چیز نامناسب دیکھی، تو خود درست کر دی اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا۔ پھر ماموں جان کہنے لگے کہ آج ہم نے یہ بھی سیکھا کہ ہم اپنے وسائل بروئے کار لے آئیں۔ آج کل ہر بندہ مہنگائی کا رونا روتا ہے، اس لیے کہ ہم اپنے موجودہ وسائل کو کام میں نہیں لاتے کہ پہلے لوگ مکڑیوں کو بھگانے کے لیے بکائن کی شاخ استعمال کرتے تھے اور آج مکڑیوں کو ختم کرنے کے لیے ہم مختلف قسم کے سپرے اور دوائیاں خریدتے ہیں۔ اس طرح ماموں جان کہہ رہے تھے کہ ہم نے آج یہ بھی سیکھا کہ ہم اپنے بڑوں کے ساتھ بیٹھیں اور ان سے سیکھیں، لیکن افسوس کہ آج نہ بچے اپنے بڑوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور نہ ہی بڑے اپنے چھوٹوں کو وقت دیتے ہیں۔ بڑے اور چھوٹے ایک دوسرے کو وقت نہیں دیتے، ایک تو بڑے اپنے کام یا دفتر میں مصروف ہوتے ہیں، گھر آجاتے ہیں تو آرام کرتے ہیں یا کمپیوٹر، لیپ ٹاپ یا کیبل دیکھتے ہیں اور اسی طرح بچے ویڈیو گیمز اور ٹی وی، کیبل میں مصروف ہوتے ہیں۔ انھیں پتا ہی نہیں چلتا کہ کون آیا اور کون گیا۔ ویسے میرے خیال میں آج ہمارے معاشرے میں انتشار کا سب سے بڑا سبب کیبل ہے، کیونکہ لوگ جب کیبل کے سامنے بیٹھتے ہیں، تو کسی ایک چینل کو یکسوئی کے ساتھ نہیں دیکھتے، کبھی ایک چینل اور کبھی دوسرا اور کبھی تیسرا، جس کی وجہ سے ہمارے ذہن انتشار کا شکار رہیں۔

مجلس کے آخر میں ماموں جان نے ایک بچے سے سوال پوچھا جس کا اس نے جواب صحیح طریقے سے نہ دیا، تو ماموں جان نے اس کے جواب کی اصلاح کر کے فرمایا، کوئی بھی بندہ ایک دن میں سب کچھ نہیں سیکھ سکتا، بلکہ آہستہ آہستہ سیکھتا ہے۔ اگر اس میں طلب ہو۔

بہرحال اس دن کی مجلس میں ہم نے کئی اسباق سیکھے:

1 اپنے اردگرد کا جائزہ لینا۔
2 اپنے ماحول کو صاف رکھیں۔
3 اپنا کام خود کریں۔
4 اپنے وسائل کو بروئے کار لا کر اخراجات کو کم کرنا۔
5 بڑوں کے ساتھ بیٹھنا اور ان سے سیکھنا۔
6 جو بڑے ہیں، اپنے چھوٹوں کو وقت دے۔
7 آہستہ آہستہ سیکھنا۔

اللہ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مایوھم بشکل سیرپ۔ چائے

تیزی سے بلڈ پریشر، کولسٹرول، LDL، موٹاپا کنٹرول کرنے میں معاون انجائنا کے درد میں افاقہ، دل کے کمزور عضلات کو مضبوط کرنے، پھیپھڑوں کے انفیکشن، جمے بلغم کو نکالنے اور سانس لینے میں سہولت کے لئے انتہائی مفید، جدید سائنس کی تحقیقات سے ثابت شدہ

مزید تفصیلات کیلئے Www.terminaliaarjuna.com

ملنے کے پتے:

مدینہ جڑی بوٹی اسٹور، مدینہ مارکیٹ ملیر 15، کراچی
السعید میڈیکل اسٹور جامعہ ملیہ روڈ شاد باغ ہاؤسنگ پراجیکٹ انوار العلوم کراچی
گڈ لک ٹریڈرز، موتی مسجد ڈینسو ہال ایم اے جناح روڈ کراچی 021-32637515
نیشنل کیمسٹ، دہلی کالونی، کراچی 021-35869950
شمس ٹریڈرز، رحیم بخش مارکیٹ ملیر 15، کراچی، 0321-3970886
الیس عطا اینڈ سنز، موتی مسجد ڈینسو ہال ایم اے جناح روڈ کراچی
مورو میڈیکوز بالمقابل نیشنل اسٹیڈیم، کراچی 021-34933664
دارالشفا ٹریڈرز مدنی مسجد ڈینسو ہال کراچی
اے۔ ڈی۔ ایم اسٹور بالمقابل جناح ہسپتال کراچی 0333-2141800
رائل میڈیکوز، کارساز روڈ بالمقابل پی این ایس کارساز، کراچی
نسیم پنسار، اولڈ مظفر آباد کالونی روڈ نمبر 2 شاہی مسجد لانڈھی، کراچی
پاک طبی دواخانہ، نزد مچھلی فروش گلبہار، نیا گولیمار، کراچی

ڈسٹری بیوٹر درکار ہیں 0333-2462696 عمران صاحب

حبیب اللہ مجاہد۔ سنٹرل جیل راولپنڈی

اسیر کی صدا

جولائی کا ایک گرم دن تھا۔ سارے قیدی صبح نو بجے سے اپنی اپنی کوٹھڑیوں میں ”ہوشیار“ کی پوزیشن میں بیٹھے تھے۔ آج عدالت عالیہ کے جج نے جیل کا دورہ کرنا تھا۔ ایسے موقعوں پر قیدی اپنا سارا سامان بستر، برتن، زائد کپڑے سب کچھ سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیتے ہیں۔ کھلے آہنی دروازوں پر لگے پردے کھول کر فرش پر ہلکا سا بچھونا ڈال کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس قسم کے دورے بعض دفعہ کئی گھنٹوں کا انتظار کراتے ہیں اور قیدی انتظار کی سولی پر لٹکے مجبوری سے دن کاٹ رہے ہوتے ہیں۔ آج گرمی بھی زیادہ تھی، پھر بجلی بھی غائب، ابھی اس حالت میں کچھ دیر گزری تھی کہ سیل وارڈن نے آ کر اطلاع دی کہ آج دورہ یہاں کا بھی ضرور ہوگا۔ قیدی وردی لازماً پہنو۔ یہ وردی موٹے کپڑے کی بنی ہوتی ہے۔ اس شدید گرمی میں ایسا گرم لباس عام طور پر گھروں میں دیکھنے کو بھی نہیں ملتا، لیکن قیدی تو جیل میں ہوتا ہے، گھر میں نہیں اور جیل میں یہاں کا قانون چلتا ہے۔ ”مرتا کیا نہ کرتا“ یہ کپڑے بھی پہن لیے۔ پردہ نہ ہونے کی وجہ سے جنگلے والے دروازے سے گرم لو اندر کی گرمی اور گرما رہی تھی۔ کوٹھڑی کیا تھی تنور بنی ہوئی تھی۔ انتظار کرتے تین گھنٹے ہوگئے تھے اور تا حال جج حضرات جیل میں آئے ہی نہیں تھے۔ ایک بجے کے قریب امیر صاحب نے آواز دی:

”سب ساتھی نماز انفرادی پڑھ لیں، دورہ نہ جانے کب ختم ہو، نماز ہی نہ نکل جائے۔“

”نماز پڑھ لینی چاہیے۔“ میں نے سوچا۔ ابھی وقت ہے، اگر نماز کے دوران جج صاحب آگئے تو؟ یہ خیال آتے ہی میں نے نماز کا فوری ارادہ ملتوی کیا۔ دراصل میں نے آج ایک درخواست لکھ رکھی تھی۔ جج آئیں گے تو ان کو دوں گا۔ کیا پتا منظور ہو جائے اور میرا کام بن جائے اور ”کام“ یہ نہیں کہ وہ مجھے رہا کر دیں، بلکہ اپیل جو دس سال سے اسی عدالت میں ہے، اس کی ”جلد“ سماعت کی التجا کی تھی۔ اسی درخواست کی وجہ سے مجھے شدت سے انتظار تھا مگر یہ انتظار طویل ہوتا جا رہا تھا۔ گرمی، حبس اور پسینے سے میرا برا حال تھا۔ لیٹ جاتا تو فرش کی گرمی، ٹیک لگاتا تو دیوار گرم، بس یونہی اسی کیفیت میں، میں صبح سے انتظار کر رہا تھا۔

ڈیڑھ بجے کے قریب گھنٹیاں بجیں تو گویا جج صاحبان کے جیل میں داخل ہونے کا اعلان ہوگیا۔ بجلی تا حال غائب تھی۔ اس لیے اب گاہے ”ہوشیار“ کی آواز آتی تو معلوم ہوتا کہ دورہ جاری ہے۔ میں اور زیادہ ہوشیار ہوگیا۔ وارڈن نے بھی آ کر ”ہوشیار“ رہنے کو کہا۔ گویا ابھی ”ریڈ الرٹ“ تھا، لیکن اس حال میں بھی دو گھنٹے مزید گزر گئے۔ سورج اب سامنے کی طرف آ کر آگ برسا رہا تھا۔ گرمی بڑھ چکی تھی۔ میں نے گھڑی پر نظر ڈالی اور چونک گیا ”نماز کا وقت نکل رہا تھا۔ جلدی جلدی اٹھ کر وضو کیا۔ وارڈن کو گزرتا دیکھا تو اسے تاکید کی کہ درخواست میں نے سامنے جنگلے پر رکھی ہے۔ جج صاحبان آئیں تو خود دیکھ لیں اور نماز شروع کی۔ نماز کے درمیان تین گھنٹیوں کی آواز آئی۔ دورہ تو نکل گیا، ہماری طرف آیا ہی نہیں۔ آخری سلام پھیرا تھا کہ بجلی آگئی، پنکھا چلا تو ہوا کی وجہ سے درخواست جنگلے سے اڑ کر میرے سامنے سے گزری، نہ جانے شکوہ کر رہی تھی یا پھر میرا منہ چڑا رہی تھی۔ اتنا انتظار کیا مگر درخواست دے ہی نہ سکا، نہ دورہ ادھر آیا۔ میں شدید مایوس ہوگیا، اسی حالت میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے، ایک خیال آیا۔ عجیب خیال، اور عجیب بات ہے کہ یہ خیال عجیب تھا مگر غریب نہیں۔ کچھ خیال ایسے بھی ہوتے ہیں جو انسان کو بہت کچھ دے جاتے ہیں۔ اتنا کچھ کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ پھر ایسے خیال ”غریب“ تو ہرگز نہیں کہلا سکتے۔“

ایک جج جو کہ انسان بھی ہے اور کچھ بجا ہے کہ کسی قدر اختیارات بھی رکھتا ہے۔ اسے درخواست دینے کے لیے انسان کو کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ انتظار کی کوفت، قبولیت اور رد ہونے کا خدشہ اور اجازت لینے کا تکلف، سب کچھ کر کے بھی درخواست منظور تو کیا ہوتی، دی بھی نہ جا سکی۔ جب کہ ایک ہستی ایسی ہے کہ اس کا مقام سب سے اعلیٰ، اس کے اختیارات لامحدود، اس کے انصاف اور عدل میں کوئی شبہ، نہ اس کے میزبان ہونے میں شک، وہ ہستی پکار پکار کر کہتی ہے ”میرے بندو مجھے پکارو، مجھ سے مانگو، مجھ سے درخواست کرو، کر کے دیکھو، میں قبول کروں گا، کیوں کہ میں تمہارا رب ہوں، مہربان اور رحم کرنے والا رب“ لیکن ہم ہیں کہ رب کے اس اعلان کے باوجود اس سے مانگنے میں سستی کرتے ہیں۔ بس یہ خیال آنا ہی تھا کہ میرے ہاتھ دعا کے لیے اُٹھے، اپنی کمزوری، عاجزی اور بے بسی کے ساتھ اب ندامت کا احساس بھی طاری ہو چکا تھا۔

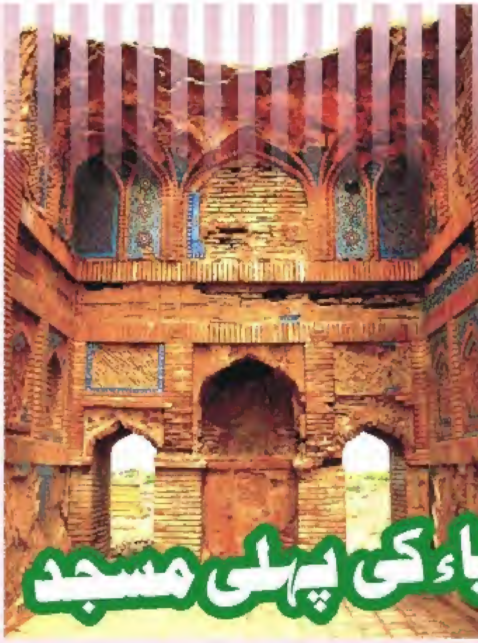

ایشیاء کی پہلی مسجد

میرے دل کی جو حالت تھی، وہ کوئی نہیں جان سکتا۔ شاید اس تحریر کے بعد کوئی میری کیفیت کو سمجھ سکے۔ میں ایک لق ودق جگہ پر کھڑا تھا۔ جہاں پتھروں اور اینٹوں کی بہتات تھی۔ میں آج سے سات سو برس پیچھے چلا گیا۔ جب ایک نوجوان جس کی عمر صرف 17 برس تھی، اس صحرا میں چند مجاہدین کے ساتھ بحیرہ عرب پار کر کے دیبل کی زمین پر ایک نئی مگر روشن تاریخ لکھ گیا۔ راجا داہر کا قلعہ میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ اس قلعے کے اندر اسی نوجوان محمد بن قاسم کے ہاتھوں تعمیر کی گئی جنوبی ایشیاء کی پہلی مسجد وجود میں آئی۔ جی وہی مسجد جب پورے جنوبی ایشیاء میں کوئی سجدہ گاہ نہیں تھی، بس یہ پہلا مقام تھا۔ نیلے رنگ کا بورڈ دیکھ کر میری حالت عجیب ہوگئی۔ یہ بورڈ حکومت پاکستان نے لگوایا تھا مگر اس کے ساتھ ہی ایک اور بورڈ پر نظر پڑی۔ جس پر "مدرسہ" کا لفظ لکھا ہوا تھا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ آنکھوں کے آنسو دل میں اتر گئے تھے۔

O

"بھنبھور پر گاڑی موڑ لو۔" بھائی جان نے ڈرائیور سے کہا۔

"اُف... بس ہوگئی، اب جانے کی ہمت نہیں۔"

ہم واٹر پارک سے واپس آرہے تھے۔ گھارو کے راستے میں عجائب گھر تھا، موڑ کے آتے ہی بھائی نے گاڑی موڑنے کے لیے کہا۔ ایک کلومیٹر اندر جانے کے بعد ہم سوزوکی سے اترے تو مچھروں کی ایک بڑی تعداد نے خطرناک سا حملہ کر دیا، لیکن وہ ہم ہی کیا جو مچھروں سے زچ ہوجاتے۔ اندر میوزیم تھا۔ وہاں محمد بن قاسم کے دور کا سامان اور جنگی ہتھیار وغیرہ رکھے ہیں۔ عجائب گھر سے چند میٹر کے فاصلے پر ایک بہت بڑا قلعہ نظر آرہا تھا۔

"کیا خیال ہے، چکر لگا آئیں... آج آثار قدیمہ بھی دیکھ لیں۔" بھائی جان نے پوچھا۔

"میوزیم میں دیکھ تو لیا ہے۔" میں نے تھکاوٹ سے چور لہجے میں کہا۔

"میں تو جارہا ہوں۔" بھائی آگے بڑھ گئے۔

"رہنے دیں... دس کے نوٹ کے پیچھے دیکھ لیں گے۔" میں نے ہانک لگائی۔

"پرانا نوٹ میرے پاس نہیں... تمہارے پاس ہے تو دیکھ لینا۔"

"ارے... چلو بیس کے نوٹ کے پیچھے دیکھ لیں... گزارا ہوجائے گا۔" لیکن وہ کہاں ماننے والے تھے۔ میں بھی با دل ناخواستہ پیچھے چل پڑا۔

"ہائیں یہ اینٹیں پتھر دیکھنے کے لیے رک گئے تھے۔" قلعے کے اندر آتے ہی میں نے ہانک لگائی، لیکن میری نظریں ایک نیلے رنگ کے بورڈ پر جم گئیں۔ کچھ دیر کے لیے سوچنا بھول گیا۔ ساری دنیا کو بھول گیا۔ بورڈ پر عبارت درج تھی۔

(بڑی مسجد! آٹھویں ہجری میں بنائی گئی)

جامع مسجد، یہ جنوبی ایشیاء کی پہلی مسجد ہے۔

میں ساری دنیا کو بھول گیا۔ مسجد کیا ہے۔ وہاں پر کٹے ہوئے ستون ہیں۔ سرخ پتھر کا بنا ہوا فرش آج بھی موجود ہے۔ یہ مسجد اتنی بڑی ہے کہ ہر صف میں تقریباً 100 آدمی آسکتے ہیں اور کوئی دس سے پندرہ صفیں بن سکتی ہیں۔ ہم نے جوتے اتارے اور کچھ دیر وہاں بیٹھے، آہ! کیا سکون ملا وہاں بیٹھ کر۔ بس وہاں جا کر ہی اندازہ ہوسکتا ہے۔ عصر کی نماز کے بعد کا وقت تھا، اس لیے نفل نہیں پڑھ سکے۔ ذکر کیا اور بڑی مشکل سے باہر آئے۔ سیوریج کے نظام کے لیے، بہت ہی عمدہ نالے فرش میں بھی موجود ہیں۔

اس مسجد کی کوئی دیوار اور کوئی ستون باقی نہیں ہے۔ نہ ہی دروازہ ہے، البتہ تصاویر دیکھ کر آپ اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس کے دائیں طرف جیسے ہی نظر ڈالی تو لکڑی کی ایک اور تختی پر نظر پڑی۔ میں حیرت کا بت بن گیا۔ جی ہاں! نیلے رنگ کی بوسیدہ سی تختی پر مدرسہ لکھا ہوا تھا۔ یہاں پر مدرسہ تھا۔ جس کی عمارت محض چند ایک پتھر رہ گئے ہیں۔ یہاں سے علوم دینیہ کی نشر و اشاعت ہوتی تھی۔ وہاں موجود پتھر عام سے پتھر نہیں ہیں۔ ان پتھروں میں بھی نورانیت کی بڑی جھلک دیکھی۔ اس سب کو دیکھتے ہوئے بچوں کا اسلام کے قارئین کو میں نے دل میں محسوس کیا۔ شاید جو بھی کراچی کا چکر لگائے، اس نور میں ڈوبی ہوئی جگہ کو ضرور دیکھے۔ گھارو سے چھے کلومیٹر پہلے جاتے ہوئے دائیں ہاتھ سے، کراچی آتے ہوئے بائیں ہاتھ پر تقریباً ایک کلو میٹر اندر جا کر یہ قلعہ موجود ہے۔ اس قلعے کے بعد پرانا دریائے سندھ ہے جو اپنا راستہ بدل چکا ہے مگر مسجد اور مدرسہ دیکھنے کے بعد مجھے کسی چیز میں مزہ نہیں آرہا تھا۔ یہ تو بھائی کے لاکھوں احسانات میں سے ایک ہے، ورنہ میں تو بیس کے نوٹ کے پیچھے آثار قدیمہ دیکھنے کی بات کر رہا تھا۔

ف، ح۔ کراچی

دورہ حدیث کے طلبہ کے لیے خوشخبری

نیا کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن مارکیٹ میں دستیاب ہے

اِرشادُ القاری اِلٰی صحیح البُخاری

کل قیمت 550 روپے
رعایتی قیمت 330 روپے

براہ راست منگوانے پر ڈاک خرچ مفت

تالیف

مفتی اعظم حضرت اقدس مولانا مفتی رشید احمد قدس اللہ سرہ

ملتان 0300-7301239
راولپنڈی 0321-5123696
پشاور 0314-9698344, 091-2580331
بہاولپور 0333-6367755, 0622731847
اٹک 0302-5475447
لاہور 0321-4530727
فیصل آباد 0321-7003142
ساہیوال 0321-6950003
کوئٹہ 0321-8045069
رحیم یار خان 0321-2647131
سرگودھا 0321-6018171

دکان نمبر 11، اسلامی کتب مارکیٹ، جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، رابطہ نمبر 0314-2139797

کہاوتیں ہی کہاوتیں

☆ نہ گرنا کمال نہیں ہے، بلکہ گر کر اٹھنا کمال ہے۔(چینی کہاوت)

☆ عالم کبھی نہیں مرتا۔(عربی کہاوت)

☆ بارش ٹوٹی ہوئی جھونپڑی پر زیادہ برستی ہے۔ (بنگلہ کہاوت)

☆ مکار سب سے پہلے پکڑا جاتا ہے۔(فرانسیسی)

☆ کل کے دو سے آج کا ایک بہتر ہے۔ (انگلینڈ کہاوت)

☆ بالکل نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے۔ (جرمن کہاوت)

☆ عمدہ دوا اکثر کڑوی ہوتی ہے۔(جاپانی کہاوت)

☆ بھیڑ کو باپ نہیں، صرف گھاس یاد آتی ہے۔ (روسی کہاوت)

☆ جو چیز شیر کو شیر سے لومڑی بناتی ہے، وہ ضرورت ہے۔(فارسی کہاوت)

☆ جب کتا ہو تو پتھر نظر نہیں آتا اور جب پتھر ہو تو کتا نظر نہیں آتا ہے۔(پاکستانی کہاوت)

☆ بہت اُونچے پہاڑ پر چڑھنے کے لیے قدم آہستہ اٹھانے پڑتے ہیں۔(چینی کہاوت)

سائنسی معلومات

فہیم احمد۔ بھکر

- چیونٹیاں اپنی پوری زندگی کبھی نہیں سوتیں۔
- دنیا کا سب سے بڑا جان دار نیلی وہیل ہے۔
- نیلی وہیل کے دل کا وزن 700 کلوگرام ہوتا ہے۔
- مکھیوں کے بھنبھنانے کی آواز ان کے پروں سے نکلتی ہے۔
- انسان ایک سال کے دوران 42 لاکھ مرتبہ پلکیں جھپکاتا ہے۔
- دنیا میں جتنی آبادی ہے، اس سے زیادہ بیکٹیریا صرف ایک شخص کی آنت میں موجود ہوتے ہیں۔
- ہمنگ برڈ واحد پرندہ ہے جو آگے پیچھے، دائیں بائیں، اوپر نیچے پرواز کر سکتا ہے۔
- زرافہ اپنے کانوں کو صاف کرنے کے لیے اپنی لمبی زبان کا استعمال کرتا ہے۔
- ایک مکھی اپنے پروں کو 250 مرتبہ فی سیکنڈ کے حساب سے حرکت دے سکتی ہے۔
- ایک سال کے دوران دل سے پمپ کیے جانے والے خون کا حجم لبالب بھرے ایک سوئمنگ پول کے برابر ہے۔

جواہرات سے قیمتی

- اگر آپ مانتے ہیں کہ آپ کچھ نہیں تو آپ بہت کچھ ہیں۔
- سادگی ایمان کی علامت ہے۔
- جنت کی قیمت ترکِ دنیا ہے۔
- بے ادب آدمی کی نیکیاں کسی کام کی نہیں۔
- دانائیوں میں سب سے بڑی دانائی تقویٰ ہے۔
- وہ بنیاد جو کبھی ویران نہیں ہوتی، انصاف ہے۔
- دل کی سب سے بڑی بیماری حسد ہے۔
- مومن کی شان یہ ہے کہ مصیبت کو ہنس کر قبول کرتا ہے۔
- کسی مسلمان کی ضرورت پوری کرنا رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔
- زندگی کو جتنا پُرآسائش (عیش میں) گزارو گے، تمہیں مرنے میں اتنی ہی تکلیف ہوگی۔

ارسال کرنے والے: حلیمہ بنتِ عزیز الرحمٰن رحیم یار خان۔ محمد ریحان، ثمر عباس سہولاہور۔ پاکیزہ زینب رتیڑہ۔ عدیلہ شناور جھاوریاں۔

صرف غذا ہی کمزوری ختم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے

میزان 24

وزن 400 گرام قیمت 850 روپے

خالص قدرتی اور غذائی اجزاء سے تیار کیا گیا میزان 24 ایک ایسا مرکب ہے جو جسم کے تمام اعضاء کو طاقت دے کر آپ کو صحت مند، توانا اور جاذبِ نظر بناتا ہے، بھوک اور نیند کی کمی کو پورا کر کے جلد تھکاوٹ کا احساس ختم کرتا ہے۔ نیا اور صاف خون پیدا کر کے چہرے کو بارونق بناتا اور آنکھوں کے گرد سیاہ داغ ختم کرتا ہے، دماغی اور اعصابی قوت پیدا کر کے حافظہ اور نظر کو بھی تیز کرتا ہے، معدہ اور جگر کی اصلاح کر کے بیماریوں سے لڑنے کیلئے قوت مدافعت پیدا کرتا ہے، نیز گیس، قبض، سانس کی تنگی اور پیشاب کے جملہ امراض میں بھی بے حد مفید اور مؤثر ہے۔ معتدل مزاج اور خوشگوار ذائقہ کی بدولت ہر عمر اور موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ (شوگر کے مریض شوگر فری طلب کریں)

دل کا بائی پاس مت کروائیں

صرف ایک بار میزان 14 استعمال کریں

شہد سبزیوں اور مقوی اجزاء سے تیار کی گئی میزان 14 دل کی شریانوں کی تنگی کو ختم کر کے بند والو کو کھولنے والی دنیا کی سب سے کامیاب اور بے ضرر ہربل پروڈکٹ ہے بڑھتے ہوئے کولیسٹرول کو اعتدال پر لا کر دل کو طاقت دیتی ہے۔ بے مثال اور حیرت انگیز نتائج کی حامل یہ پروڈکٹ۔ موٹاپا، جوڑوں کے درد، بلڈ پریشر، فالج، لقوہ، ملیریا بخار اور بواسیر میں بھی بے حد مؤثر ہے۔

قیمت 1450 مقدار 700 گرام

اجزاء: شہد، ادرک، لہسن، لیموں، سرکہ سیب مروارید، زہر مہرہ، ورق طلائی، عنبر یشعب

مزید مشورہ / کاروباری رابطہ / براہ راست منگوانے کیلئے

حکیم غلام رسول

(40 سالہ تجربہ کار معالج، ماہر نسخہ ساز)

Cell:0312-1624556

پاکستان بھر سے ڈیلرز درکار ہیں

- مولانا ابراہیم، حیدر چالی پٹھان کالونی، بنارس کراچی 0321-2682667
- مرحبا پنسار سٹور، ٹنڈو کوٹ ضلع میر پور خاص (سندھ) 0300-3119312
- رحمانی میڈیکل سٹور میر پور خاص (سندھ) 0307-2100345
- حکیم مولوی عبداللطیف بھاگ ناڑی ضلع کچھی (بلوچستان) 0342-3112120
- راوی دواخانہ، ژوب ضلع لورالائی (بلوچستان) 0344-8282359
- یونانی دواخانہ صدیق اکبر چوک، چڑالا ضلع باغ (AK) 0312-8006622
- احسن ہومیو سٹور گلشن مارکیٹ لورمی روڈ حسن ابدال 0333-5179523
- میاں ہومیو اینڈ ہربل سٹور کربلا روڈ ساہیوال 0322-9814004
- پنجاب ہوزری بٹ مارکیٹ سکول بازار رحیم یار خان 0342-7323604
- الفتح ہومیو کلینک خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ 0333-6037718
- الحبیب نیوز ایجنسی نزد کنوان چوک مظفر گڑھ 0315-8701970
- فخر شہید دواخانہ نزد گھلی منڈی دولت گیٹ ملتان 0300-7382825
- مکتبہ علامیہ ناصریہ تحصیل بازار ہارون آباد 0333-4985886
- مکتبہ امیر شریعت عیدگاہ روڈ میلسی 0300-7734614
- بادشاہ دوی ہٹی بوہڑ بازار راولپنڈی 0345-7000088
- شافی دواخانہ شاہی بازار بہاولپور 0307-6679957
- ریاض پنسار سٹور ریلوے روڈ ٹیکسلا 0322-5420834
- ورلڈ ہومیو سٹور گلی عثمان ہسپتال چوک میاں چنوں 0300-8393627
- غلام قادر دربار محلہ فاروق آباد بھکر روڈ جھنگ صدر 0333-6756493
- مدرسہ اشرفیہ برما چوک ترکی کالونی اسلام آباد 0311-0981002
- الاحسان ہسپتال اٹل روڈ آگی ضلع مانسہرہ 0334-9624448
- محمد یوسف بھٹہ کالونی ڈیرہ غازی خان 0333-6031077

آمنے سامنے

☆ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ: شمارہ 595 کی دو باتیں پڑھ کر خوشی ہوئی۔ ماشاء اللہ آپ تک وہ کارروائی پہنچ گئی۔ بینا رانی کی کچا مکان سبق آموز تھی، بنتِ شکیل اختر بھی کمال کر گئیں۔ ذرا آواز دینا حقیقت سے بہت قریب تھی۔ شازیہ نور کی بوڑھا چہرہ چونکانے میں کامیاب رہی۔ حافظ فیاض احمد کی کہانی وہ بچہ پڑھی تو اپنی والدہ محترمہ کا سراپا نظروں میں گھوم گیا۔

(بنتِ مولانا سیف الرحمٰن قاسم۔ گوجرانوالہ)

ج: چلیے کسی نے کمال تو کیا۔

☆ شمارہ 592 میں نہار منہ پانی پینا مضمون شائع ہوا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ نہار منہ پانی پینا نقصان دہ ہے۔ جب کہ میرے والد صاحب کئی سالوں سے نہار منہ پانی پینے کے عادی ہیں اور میں بھی نہار منہ پانی پینے کا عادی ہوں۔ ہمیں تو ابھی تک جوڑوں کے درد کی تکلیف نہیں ہوئی۔ اس بارے میں جب ہم نے ڈاکٹرز اور حکیم صاحبان سے پوچھا تو انھوں نے یہی بتایا کہ نہار منہ پانی پینا نقصان دہ نہیں ہے جب کہ اس مضمون میں اسے نقصان دہ بتایا ہے۔ آپ نے یہ مضمون بغیر کسی تحقیق کے شائع کر دیا۔ (سحر خان بن زرویہ خان۔ نئی کراچی)

ج: مضمون تحقیقی ہے۔ آپ کی بات بغیر تحقیق کے ہے، آپ نے ڈاکٹروں کا خیال ظاہر کیا ہے۔ کوئی ثبوت نہیں دیا۔ جب کہ بچوں کا اسلام کے مضمون یا میں آج کی ہی نہیں چودہ سو سال پہلے کی باتیں بتائی گئی ہیں۔ اس میں کوئی شک والی بات نہیں کہ نہار منہ پانی نقصان دہ ہے۔ آپ ابھی کوئی نقصان محسوس نہیں کرتے تو مستقبل میں کریں گے۔ بہرحال اس مضمون کی مزید تحقیق بھی جلد شائع کی جا رہی ہے۔ فکر نہ کریں۔

☆ دادا جان! اب ہم یہ نہیں کہیں گے کہ یہ ہمارا کتنواں خط ہے، کیونکہ یہ بات تو اب ہمیں بھی معلوم نہیں۔ مہربانی فرما کر اسے تو شائع کر دیں۔ سالنامے پر محمد شاہد فاروق کا خط سب سے اچھا لگا۔

(بشریٰ خالد۔ نور پور نورنگا)

ج: لیجیے! آپ کا خط شائع کر دیا۔ ویسے آپ خود دیکھ لیں، اس خط میں شائع کرنے والی کون سی بات ہے۔

☆ شمارہ نمبر 594 میں سرورق پہ لکھا دیکھا: ''پنکی کی ماما'' تو فوراً خیال کوندا کہ یہ تو حافظ عبدالجبار کی کاوش لگتی ہے اور جناب! واقعی ایسا تھا اور ایک بات یہ کہ حافظ عبدالجبار صاحب کا اندازِ تحریر خصوصاً ''مسٹر کلیم'' سے متعلقہ تحاریر کا انداز ''ضربِ مومن'' کے مشہور کالم نگار ''ملا مسکین'' سے بہت ملتا ہے۔ اُن کا ہر کالم ''مسٹر کلین'' سے شروع ہوتا ہے اور اُسی پہ ختم ہوتا ہے۔ اسی طرح عبدالجبار صاحب کی تحریر مسٹر کلیم کے نام نامی سے مزین ہے۔

فوزیہ خلیل کی ''اُف اُف'' میرے دل کی آواز تھی۔ میرے والدین نے بھی آج تک کبھی کسی قسم کا پیکیج نہیں کیا، نہ ہمیں فون پہ لمبی بات کرنے کی عادت ڈالی۔ اللہ تعالیٰ میرے والدین کا سایہ ہمارے اوپر تادیر سلامت رکھے۔

''ف ح'' کی ''سوچ'' کہانی نہایت سبق آموز تھی۔ اختتام پہ حیرت انگیز اور مزے سے پُر تھی۔ ہمیشہ میں ان کی کہانیوں سے اسی طرح متاثر ہوتی ہوں۔

(بنتِ مولانا سیف الرحمٰن۔ گوجرانوالہ)

☆ دادا جان! ابھی خطوط کے دس بارہ دفتر ہی بنائے تھے (جن میں ایک چھکا بھی تھا) اور فنشی کرنے کے لیے پر تول رہے تھے کہ امپائر (یعنی امی جان) نے کاموں کی بنا پر میچ اگلے دن تک ملتوی کر دیا۔ پھر جب مطلع صاف ہوا تو مخالف ٹیم (ہماری بہن) کے طعنوں نے پہلی بال کرائی جو بچوں کا اسلام کی وکٹوں سے گزرتی ہوئی پیچھے کھڑے وکٹ کیپر (ردی کی بالٹی) کے ہاتھوں میں آ گئی اور یوں امپائر (امی جان) نے ہمیں آؤٹ کر دیا اور ہم اپنے بیٹ اور ہیلمٹ (کاپی اور قلم) سنبھالتے ہوئے گراؤنڈ (یعنی اپنی میز) سے شرافت سے باہر آ گئے۔ اب آپ ہمیں ہماری کارکردگی کی کمنٹری سنائیں۔

(ثمرین عبدالصمد، مہرین عبدالصمد۔ کمن بھٹہ)

ج: آپ کو کرکٹ کا بخار 104 درجے ہے۔ اپنا خیال فرمائیں۔

☆ بچوں کا اسلام میں یہ ہمارا پہلا خط ہے، بلکہ یہ ہماری زندگی کا پہلا خط بھی ہے۔ اس لیے گھر والوں کا کہنا تو یہی ہے کہ ہم خط نہ ہی لکھیں، کیونکہ آپ نے پہلے کبھی خط نہیں لکھا۔ جب کہ ہمارا خیال اس کے الٹ ہے۔ ہمارا کہنا ہے کہ انسان کو کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ کوشش کرنے والے سے اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوتے ہیں اور میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کر کے اگر خط لکھا جائے تو وہ ضرور شائع ہوگا۔ آپ کیا کہتے ہیں۔

(م۔ن۔ لاہور)

ج: وہی جو آپ کہتے ہیں۔

☆ مجھے صرف وہ خطوط اچھے لگتے ہیں جن کے نیچے آپ جواب لکھتے ہیں۔ جن کے نیچے جوابات نہیں ہوتے، وہ پھیکے لگتے ہیں۔ اگر آپ اس خط کے نیچے جواب لکھ دیں تو اسے چار چاند لگ جائیں گے۔

(حافظ محمد اشرف۔ حاصل پور)

ج: افسوس! آپ نے چار چاند لگانے میں میری کوئی مدد نہیں کی۔

☆ آخر آپ کس قسم کے خطوط شائع کرتے ہیں، کیونکہ ہمیں تو ایک مدت گزر گئی، لیکن کوئی خط شائع نہیں ہوا۔ کئی بار خط لکھا اور آپ کو بھیجا۔ نتیجہ صفر۔

(محمد صہیب۔ گنڈہ پورہ)

ج: آپ کا خط اس بات کا بہت بڑا ثبوت ہے کہ کس قسم کے خطوط شائع نہیں کیے جاتے۔ جس قسم کے شائع کیے جاتے ہیں، وہ بچوں کا اسلام میں دیکھ لیا کریں۔

☆ بچوں کا اسلام کا اس وقت سے قاری ہوں، جب یہ ابھی بچہ تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے نظرِ بد سے بچائے اور لمبی عمر عطا کرے۔ آمین۔ بلکہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے۔ (جنید احمد صدیقی۔ خان گڑھ)

ج: آمین!

☆ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کہانی لکھنے کا طریقہ کیا ہے۔ (ثقلین معاویہ۔ سفیر الدین، نصیر احمد۔ جامعۃ الرشید کراچی)

ج: جو لوگ یہ بات پوچھتے ہیں، وہ کہانی نہیں لکھ سکتے۔

☆ آپ کا بچوں کا اسلام بادام کی طرح ہے۔ میری خواہش ہے کہ بادام کی تعریف کروں۔ جب میں بچوں کا اسلام پڑھتی ہوں تو منہ میں بادام کا ذائقہ آتا ہے، یعنی مزہ آتا ہے۔ اللہ آپ کو ہر سال حج کرائے۔

(زینب احسان۔ پشاور)

ج: لگتا ہے، آپ کو بادام بہت پسند ہیں۔

☆ آپ کی کتابیں اسلامی جنگیں قدم بہ قدم اور آزادی قدم بہ قدم تو لگتا ہے جب ہم بوڑھے ہو جائیں گے، تب پڑھیں گے۔ میری کوئی بات بری لگی ہو تو معاف کر دیجیے گا۔ (اسامہ دیوان۔ گلشن اقبال کراچی)

ج: فی الحال تو کوئی بات بری نہیں لگی جب لگے گی بتا دوں گا۔ آزادی قدم بہ قدم تو بس آیا ہی چاہتی ہے، پریس میں۔

☆ امید ہے، خیریت سے ہوں گے اور بچوں کی ذہنی تربیت کے لیے بچوں کا اسلام ترتیب دے رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے اور اسی طرح دین کی خدمت کرتے رہیں۔ مصنوعات کا بائیکاٹ والی فہرست ارسال فرمائیں۔

(حافظ نور الامین۔ کراچی)

ج: فہرست حاضر ہے۔

☆ شمارہ 543 میں آپ نے حرکت میں آنے کے لیے کہا، لیجیے ہم حرکت میں آ گئے اور تحریر حاضر ہے۔ اس تحریر سے ہم خاص نمبر میں شامل نہ ہونے کا قرض بھی چکا دیں گے۔ دیکھتے ہیں، تیر نشانے پر بیٹھتا ہے یا آپ جھکائی دینے میں کامیاب رہتے ہیں۔

(محمد اقبال۔ ماڈل ٹاؤن کالونی۔ کراچی)

ج: آپ کے حرکت میں آنے پر خوشی ہوئی۔

پُراسرار نمونے

مولانا محمد ہاشم عارف ۔ کراچی

اگلے دن پلان کے مطابق ''اہرامِ مصر'' جانے کا ارادہ تھا۔ اس سلسلے میں ہوٹل والے نے ہی مناسب پیسوں میں اس کا انتظام کیا تھا۔ صبح آٹھ بجے ٹیکسی ڈرائیور ہمارا منتظر تھا۔ ہمارے اس چکر میں سکارا اور جیزہ کے اہرام شامل تھے۔

مصر کے بہت سے مقامات پر یہ اہرام تعمیر کیے گئے تھے۔ جگہ جگہ کھدائیوں کے نتیجے میں سیکڑوں اہرام دریافت ہوئے۔ لیکن ان تمام اہرام میں سکارا اور جیزہ کے اہرام بڑے اور بہت مشہور ہیں۔

عہدِ قدیم میں دنیا کے جو سات عجائب مشہور تھے، اُن میں سے اہرامِ مصر ہی تنہا وہ عجوبہ ہے جو آج تک باقی چلا آتا ہے، ہزاروں سال پہلے بنائی گئی یہ حیرت انگیز عمارتیں آج بھی انجینئرنگ کی تاریخ کا عجوبہ سمجھی جاتی ہیں، اور آج جب کہ انجینئرنگ انتہا کی ترقی پر پہنچی ہوئی ہے ''الھرم لاکبر'' اس دور میں بھی اپنے طول و عرض اور اونچائی کے لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی عمارت ہے۔

یہ عمارت کس نے اور کیوں بنائی تھی؟ اس کے بارے میں تاریخی روایات اس قدر مختلف ہیں کہ ان کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ مصر کے مشہور مؤرخ علامہ مقریزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لوگوں کے درمیان اہرام کی تاریخ تعمیر، اس کے بانی کے نام اور تعمیر کے سبب کے بارے میں اختلاف ہے اور اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں جن میں سے اکثر صحیح نہیں۔ (الخطط المقریزیہ ص 198 ج ا)

لیکن اس سلسلے میں جو روایت زیادہ مشہور ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان سے پہلے مصر کے ایک بادشاہ سوریدنے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر بعض کاہنوں اور نجومیوں نے یہ دی کہ دنیا پر ایک عالمگیر مصیبت آنے والی ہے۔ سوریدنے اس موقع پر اہرام کی تعمیر کا حکم دیا اور اس کے اندر کچھ ایسی سرنگیں بنائی تھیں جن سے دریائے نیل کا پانی داخل ہو کر کسی خاص جگہ تک جاسکے، نیز اس عمارت میں طرح طرح کے عجائب شامل کیے تھے اور اس وقت اہلِ مصر سائنس اور حساب سے لے کر طب اور سحر تک جتنے علوم سے واقف تھے، ان کو اس عمارت کی دیواروں، چھتوں اور ستونوں پر لکھ کر محفوظ کیا تھا۔ بعد میں اسی عمارت کو بادشاہوں کے مقبروں کے طور پر بھی استعمال کیا گیا۔ (حسن المحاضرہ للسیوطی ص 33 تا 35)

ایک روایت یہ ہے کہ اہرام کا بانی قومِ عاد کا ایک بادشاہ شدّاد تھا اور بعض روایتوں میں حضرت ادریس علیہ السلام کو ان کا بانی قرار دیا گیا ہے۔
(الخطط المقریزیہ ص 21، ج ا)

ان عمارتوں کے بارے میں طرح طرح کی طلسماتی کہانیاں بھی مشہور رہی ہیں، جو علامہ سیوطی رحمہ اللہ اور علامہ مقریزی رحمہ اللہ نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں۔

لیکن عہدِ جدید میں آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے مختلف کھدائیوں اور دریافت شدہ تحریروں کی تحقیق کے بعد جو رائے قائم کی ہے، وہ یہ ہے کہ اہرامِ مصر دراصل عہدِ قدیم میں بادشاہوں کے مقبروں کے طور پر تعمیر کیے گئے تھے۔ اس دور میں بادشاہوں کے مقبرے اسی مخروطی شکل میں تعمیر کیے جاتے تھے، اور فرعونوں کے چوتھے سے لے کر سترھویں خاندان تک مقبروں کا یہی انداز مقبولِ عام رہا، چنانچہ مصر کے مختلف حصوں میں بہت سے اہرام تعمیر کیے گئے۔ تقریباً اسّی اہرام کے آثار دریائے نیل کے مغربی علاقے اور مصر کے زیریں اور وسطی خطوں میں اب بھی پائے جاتے ہیں، لیکن یہ اہرام زیادہ تر معمولی سائز کے تھے اور انھیں مخروطی شکل دینے کے لیے سیڑھیوں کا سا انداز اختیار کیا گیا تھا، ان کو ''الاہرام الصادقۃ'' (True Pyrmids) کہا جاتا ہے۔ ان اہرام میں سے قدیم ترین مقبرہ شہر صقرہ سے چند میل جنوب میں واقع ہے، اور کہا جاتا ہے کہ شاہ اسنیفرو نے 1200ء ق م میں تعمیر کیا تھا، جو فراعنہ کے چوتھے شاہی خاندان کا ایک بادشاہ تھا۔

لیکن یہ اہرام اپنی قدامت کے باوجود فنِ تعمیر کے نقطۂ نظر سے کوئی عجوبہ قرار نہیں دیے گئے۔ بعد میں تین اہرام قاہرہ کے قریب جیزہ کے علاقے میں (جواب قاہرہ ہی کا حصہ بن گیا ہے) تعمیر کیے گئے۔ یہ اپنے سائز کے اعتبار سے بھی غیر معمولی تھے، اور ان کو مخروطی شکل دینے کے لیے سیڑھیوں کا سا انداز بھی اختیار نہیں کیا گیا، بلکہ نیچے سے اُوپر تک سطح کو سپاٹ رکھتے ہوئے انھیں مخروطی شکل دی گئی۔ یہی تین اہرام دنیا کے عجائب میں شمار ہوتے ہیں اور آج بھی دنیا بھر کے سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز ہیں۔

جدید تحقیق کے مطابق یہ تین اہرام حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے فرعونوں کے چوتھے خاندان کے بادشاہ خوفو اور اس کے بیٹوں خفرے اور منکارہ نے تعمیر کیے تھے۔ ان میں سب سے بڑی عمارت ''الھرم الاکبر'' کہلاتی ہے اور وہ خوفو نے تعمیر کی تھی۔ زمین پر اس کا مجموعی رقبہ 1ء13 ایکڑ ہے اور صرف ایک سمت سے زمین پر اس کا طول 752 فٹ ہے۔ تیار ہونے کے بعد اس کی اونچائی 4ء481 فٹ تھی، بعد میں کچھ بالائی حصہ کم ہو گیا تو اونچائی 31 فٹ کم ہو گئی۔ اس کی تعمیر میں بیس لاکھ سے زیادہ پتھر کے بلاک استعمال ہوئے ہیں، ان میں سے کوئی پتھر 2 ٹن سے کم نہیں ہے، بعض پتھر 15 ٹن وزنی بھی ہیں، لیکن اوسطاً پتھروں کا وزن ڈھائی ٹن ہے، پتھروں کو ایسی فنکاری کے ساتھ جوڑا گیا ہے کہ ان کی درمیانی جھری باہر سے نظر ہی نہیں آتی اور دور سے پوری عمارت ایک ہی دیو ہیکل مخروطی پتھر معلوم ہوتی ہے۔

ایک امریکی ماہر آثارِ قدیمہ ڈیسمنڈ اسٹیورٹ نے اہرامِ مصر پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اس میں وہ لکھتا ہے:

''دنیا بھر میں پتھر کی یہ سب سے بڑی تعمیر تیرہ ایکڑ کے رقبے میں کھڑی ہے، جو بیس لاکھ سے زائد بلاکوں پر مشتمل ہے اور یہ بلاک اوسطاً ڈھائی ٹن وزنی ہیں۔ اس کی ہر سمت 755 فٹ طویل ہے، لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ تمام کونے مکمل طور پر بالکل صحیح زاویہ بناتے ہیں اور سامنے کے پتھر اتنے ٹھیک نصب کیے گئے ہیں کہ ان کے درمیانی جوڑ نظر نہیں آتے۔''

بچوں اور نوجوانوں کے لیے منفرد ہفتہ وار انگریزی میگزین
The TRUTH
Subscription Charges
Rs. 1200 for 1 Year (52 Issues — 4 issues free)
Rs. 600 for 6 months (26 Issues — 2 issues free)
Rs. 300 for 3 months (13 Issues — 1 issue free)
Bank Account: The Truth Intr. Current A/c no. 0184-0100310268 Meezan Bank Gulshan-e-Maymar, Karachi
کراچی: 0334-3372304 | حیدر آباد: 0300-3037026
لاہور: 0300-4284430 | سرگودھا: 0321-6018171 | سکھر: 0300-9313528
فیصل آباد: 0333-4365150 | راولپنڈی: 0321-5352745 | ملتان: 0305-8425669
پشاور: 0314-9007293 | کوئٹہ: 0321-8045069
رقم بذریعہ منی آرڈر اور ایزی پیسہ بھی بھیجی جا سکتی ہیں
پرانے شمارے بھی منگوائے جاسکتے ہیں
سبسکرپشن اور دیگر معلومات کیلئے مرکزی رابطہ
ڈی تھرٹی 4-G-1/11 ناظم آباد نمبر 4 کراچی
0322-2740052, 021-36881355
www.thetruthmag.com | info@thetruthmag.com